Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ.................25 روپے

سالانہ.................300 روپے

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ .. بجلی کی پیداوار کی قلت یا استعمال کی کثرت/آتش بازی کا مظاہرہ یا مقابلہ....مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۲۳، آیت نمبر۳۰)... حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش وخلافت.......... // // ۸

درسِ حدیث .... صبح سویرے کام شروع کرنے کی برکات..............مولانا محمد ناصر ۱۳

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہِ شعبان: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں..........................مولوی طارق محمود ۱۹

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۵)...............ترتیب: مفتی محمد رضوان ۲۵

بھیڑ چال اور بدنظمی سے پرہیز کیجئے (قسط۳)...مفتی محمد رضوان ۳۰

تقلید کا ثبوت...عبدالواحد قیصرانی ۳۶

صحابیٔ رسول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ.......................................انیس احمد حنیف ۳۹

آدابِ تجارت (قسط۱۶)...مفتی منظور احمد صاحب ۴۱

دعوت کے آداب (قسط۱)..مفتی محمد رضوان ۴۴

تصوف الفاظ اور کیفیات کا نام نہیں............................ترتیب: مفتی محمد رضوان ۴۶

مکتوباتِ مسیحُ الامّت (بنام محمد رضوان) (قسط۴)...............ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان ۴۹

ختمِ بخاری کے عنوان سے کیا ہونے لگ رہا ہے..................................// // ۵۳

علم کے مینار..........ہر چہ گیرد علّتی .....(قسط۹)..................مولانا محمد امجد حسین ۵۸

تذکرۂ اولیاء:.. تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۵)......مولانا محمد امجد حسین ۶۲

پیارے بچو! .... دوسروں کی خدمت اور عزّت کیجئے..............مفتی ابوریحان ۶۷

بزمِ خواتین ..... حضور ﷺ کے خواتین سے چند اہم خطاب (آخری قسط)..مفتی محمد رضوان ۶۹

آپ کے دینی مسائل کا حل... تحصیل ٹیری ضلع کوہاٹ کے جاگیردارانہ نظام کی شرعی حیثیت....ادارہ ۷۴

کیا آپ جانتے ہیں؟... چند اصولی وفقہی باتیں (افادات: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)..مفتی محمد یونس ۸۶

عبرت کدہ .... حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۱)...............مولوی طارق محمود ۹۰

طب وصحت.......... انگور (GRAPES)..............................حکیم محمد فیضان ۹۲

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز..............................مولانا محمد امجد حسین ۹۶

اخبارِ عالم .... قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں..........................ابرار حسین ستی ۹۷

Selling Marchandise On Different Rates To Different Buyers..... // // ۱۰۰

Idara Ghufran

اداریہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** مفتی محمد رضوان

بجلی کی پیداوار کی قلت یا استعمال کی کثرت

آتش بازی کا مظاہرہ یا مقابلہ

اس سال موسمِ گرما میں پاکستان کے مختلف علاقوں، خصوصاً کراچی اور سندھ میں بجلی کی قلت کا شدید احساس رہا اور کثرت سے بجلی کی بندش کا سلسلہ جاری رہا، جس پر کراچی وغیرہ میں عوامی سطح پر سخت ردِ عمل ہوا اور بعض موقعوں پر پُر تشدد واقعات بھی پیش آئے، بجلی کی قلت کی شکایت ہمارے ملک میں ہر سال رہتی ہے، جس کا اظہار اور احساس موسمِ گرما میں بڑھ جاتا ہے، یوں تو بجلی کی قلت کی بنیادی وجہ ہمارے یہاں پانی کے ذخائر اور ڈیموں کی کمی کے باعث بجلی کی پیداوار میں کمی کو قرار دیا جاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے یہاں صحیح منصوبہ بندی نہ ہونے اور ملکی واجتماعی تقاضوں کے سیاسی وصوبائی تعصّبات واختلافات کے بھینٹ چڑھ جانے کی وجہ سے مدتِ دراز سے آبی ذخائر کی کمی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اور ہمارے حکمرانوں کو خواہ وہ حزبِ اقتدار سے تعلق رکھتے ہوں یا حزبِ اختلاف سے اس دیرینہ اور اجتماعی مسئلہ کا ایسا جامع حل تلاش کرنا ضروری ہے، جس میں دوسروں کے تحفّظات کا بھی خاطر خواہ لحاظ کیا جائے، اس قسم کے قومی وملکی اور اجتماعی مسائل کے حل کے وقت تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے ذاتی اختلافات اور مفادات کو پسِ پشت ڈال دینا چاہئے، اور جب تک اپنی انا کو فنا کر کے اجتماعی مفادات پر اجتماعی موقف اختیار نہیں کیا جائے گا اس اجتماعی اہم مسئلہ کو عملی جامہ پہنانا مشکل نظر آتا ہے۔

اس پہلو کا تعلق تو زیادہ تر حکمرانوں اور سیاستدانوں سے ہے۔

لیکن اس اہم مسئلہ کا ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق عوام سے ہے اور بجلی کی قلت اور کمی کے احساس میں اس عوامی پہلو کا بھی بہت زیادہ دخل ہے، اور وہ ہے عوام کا بجلی کا بے تکا اور بے ڈھنگا استعمال، چنانچہ ہمارے یہاں اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں کی طرح بجلی کی ناقدری اور ضیاع میں بھی کافی حد تک غلو پایا جاتا ہے، بلاضرورت پنکھے، بجلی چلتے چھوڑے رکھنا، ایک بلب اور ٹیوب لائٹ کے بجائے کئی کئی بلب اور ٹیوب لائٹیں جلانا، اور کوئی نظر اور باریک بینی کے کام کے بغیر بھی غیر ضروری روشنی کئے رکھنا لوگوں کی ایسی عادت ہوگئی ہے کہ اس کی خلاف ورزی ہونے پر روشنی کو بھی اندھیرے سے تعبیر کیا جاتا ہے، ذرا ذرا سی تقریب

وغیرہ کے بہانے سے بلاضرورت لائٹنگ اور زیادہ توانائی اور بڑے واٹ کے بلب روشن کئے بغیر کسی تقریب کو تقریب ہی نہیں سمجھا جاتا۔

غیر ضروری روشنی کو بند کرنے کی صورت میں خالی بیٹھے رہنے کو بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے نظر خراب ہو جاتی ہے، اور لکھنے پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے تو پھر تو بلا مبالغہ نابینا ہونے کے خطرہ کا اظہار کیا جاتا ہے، اگر چہ اتنی روشنی موجود ہو جو لکھنے پڑھنے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہو۔

لیکن اگر ایک صدی پیچھے نظر دوڑا کر دیکھیں جبکہ بجلی پیدا نہیں ہوئی تھی، اس وقت بھی تو چراغ وغیرہ کی روشنی میں انسان اپنی تمام ضروریات پوری کر لیتے تھے، لکھنے پڑھنے کے کام بھی چلتے تھے، اور سینے پرونے کے معاملات بھی انجام دیئے جاتے تھے، اور اگر گذشتہ صدی کے لوگوں کی نظروں کو زیادہ مضبوط اور قوی سمجھا جائے تو آج بھی ایسے علاقے موجود ہیں جہاں یا تو بجلی کی رسائی نہیں اور اگر ہے بھی تو بجلی کی آمد بہت کم اور بندش زیادہ ہوتی ہے، ایسے علاقوں کے لوگ بھی تو آخر اسی دور میں رہ کر اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔

اصل وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جس قسم کے ماحول کا عادی بنالے اس کا مزاج ویسا ہی بن جاتا ہے، ہم لوگوں نے کیونکہ اپنا مزاج بگاڑ لیا ہے اس لئے ہمیں بقدرِ ضرورت بجلی اور روشنی ہوتے ہوئے بھی روشنی کی کمی کا احساس رہتا ہے۔

دوسری طرف بجلی موجود ہوتے ہوئے قدرت کی طرف سے پیدا کی ہوئی دن کی فطری روشنی سے فائدہ اٹھانے کے رجحان میں بھی کافی حد تک کمی آگئی ہے، جو کام سورج اور دن کی روشنی میں بخیر و خوبی انجام دیا جا سکتا ہے اسے بلاوجہ رات کے لئے مؤخر کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بجلی کے استعمال سے رات دن کے فطری فرق کا لحاظ بھی ختم ہوتا دکھائی دے رہا ہے، چنانچہ بڑے شہروں میں رات کے آخری حصہ تک بجلی کی روشنی میں مشغولیات جاری رکھ کر دن کی روشنی کا بڑا حصہ فارغ رہ کر یا بستر پر پڑ کر گزار دیا جاتا ہے۔ شادی بیاہ کی تقریبات قصداً و عمداً رات کے حصہ میں انجام دینے کو ترجیح دی جاتی ہے، بڑے شہروں کی مارکیٹوں اور بازاروں کی صبح بارہ بجے کے بعد ہونے لگی ہے۔ اور کئی کاروبار تو ایسے ہیں جو رات کے وقت ہی جاری رہتے ہیں، دن بھر جو اصل رونق کا وقت ہے اس وقت وہ کاروباری مراکز موت کے سناٹے کا سماں پیش کرتے ہیں اور رات کے وقت جو اصل سناٹے کا وقت

تھا، ان مقامات پر رونق نظر آتی اور میلہ سالگا رہتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس مادی دور کا ایسا المیہ ہے جو اسلام کے مزاج اور مسلمان معاشرے کی طرزِ زندگی سے کچھ بھی میل نہیں کھاتی۔

ماہرین کے مطابق دن اور سورج کی روشنی فطری ہونے کی وجہ سے انسانی صحت اور نظر کے لئے انتہائی مفید اور اس کے مقابلہ میں بجلی کی مصنوعی روشنی مفید کے بجائے مضر قرار دی گئی ہے۔

مگر لوگوں کو ان چیزوں سے کیا سروکار، انہوں نے تو اپنی خواہشات کی پیروی اور اتباع کرنی ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجلی کی روشنی ایک ضرورت کی چیز تھی اس میں اب فیشن اور تفریح کا عنصر شامل ہو گیا ہے۔

آج بھی اگر ہم لوگ اپنی معاشرتی زندگی کو فطری طریقہ کے قریب کریں اور بجلی کے فضول و بے جا استعمال سے اپنے آپ کو بچائیں تو شاید موجودہ بجلی کی پیداواری مقدار کم ہونے کے بجائے زیادہ محسوس ہو، اور ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنے میں مشکل محسوس نہ ہو کہ اگر ایک طرف مسئلہ بجلی کی پیداوار کی قلت کا ہے تو دوسری طرف اس سے بڑا مسئلہ بجلی کے استعمال کی کثرت اور اس کے بے مقصد ضیاع کا بھی ہے۔

پھر بجلی کا جتنا زیادہ استعمال ہوتا ہے اس کا اثر صرف اس کی پیداواری مقدار کے کم پڑ جانے کی شکایت ہی کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بجلی کے بھاری بھر کم بلوں کی قیمت بھی چکانا پڑتی ہے، دوسری طرف ہمارے یہاں بجلی کے اداروں کی طرف سے یہ ضابطہ مقرر ہے کہ بجلی کے استعمالی مقدار میں جتنا اضافہ ہوتا ہے اسی کے تناسب سے یونٹوں کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اور اس بار اور بوجھ کو ہر صارف اپنے کاندھوں پر ہی اٹھاتا ہے، اس کے باوجود بجلی کا استعمال بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کے قاعدہ کے مطابق نہیں ہوتا، اگر استعمال کی مقدار میں اضافہ کے باعث یونٹوں کی قیمتوں میں مروجہ اضافہ کا ضابطہ مقرر نہ ہوتا تو شاید ناقدری اور بے جا استعمال میں اور اضافہ ہو جاتا، اس لئے ہمیں جہاں ایک طرف آبی ذخائر میں اضافہ کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، دوسری طرف بجلی کے استعمال کا صحیح صحیح اور ٹھیک استعمال کرنے کی بھی ضرورت ہے، اس کے لئے مختصر لفظوں میں ہر شخص اپنے ذہن میں یہ ضابطہ بٹھا سکتا ہے کہ:

''بجلی کا استعمال بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کیا جائے بلا ضرورت استعمال اور ضرورت سے زیادہ استعمال سے بچا جائے''

اگر ملک کے عام باشندہ کے اختیار میں یہ چیزیں نہیں ہیں کہ وہ آبی ذخائر میں اضافہ کر سکتا ہے، بڑے بڑے ڈیم تعمیر کر سکتا ہے، بجلی کی پیداوار میں اضافہ کر سکتا ہے، تو یقیناً یہ تو ہر ایک کے اختیار میں ہے کہ وہ بجلی

کے فضول استعمال اور ضیاع سے بچنے کی کوشش کرے، جہاں بلاضرورت بلب وغیرہ جلتا ہوا دیکھے اسے بند کردے، بلاضرورت پنکھا یا کوئی دوسری برقی چیز چلتی ہوئی دیکھے اسے بند کردے، جہاں تھوڑے استعمال سے کام چل سکتا ہو وہاں زیادہ استعمال سے اپنے آپ کو بچائے، جو کام دن اور سورج کی قدرتی اور فطری روشنی میں ہوسکتا ہے (جس کا نہ بل ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کے استعمال اور اس سے فائدہ اٹھانے سے کمی واقع ہونے کا خطرہ ہے) وہ کام سورج اور دن کی روشنی میں انجام دے، دن کے وقت کمرے میں بیٹھ کر جہاں روشنی کھڑکی اور دروازہ کھول کر یا پردہ ہٹا کر حاصل کی جاسکتی ہو وہاں تھوڑی سی توجہ اور ہمت کر کے فطری وقدرتی روشنی سے اپنی ضرورت پوری کرلے اور ایسے موقعہ پر بجلی کی مصنوعی روشنی پر وہ بوجھ نہ ڈالے۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام کام کوئی بھی مشکل نہیں، لیکن ان چیزوں کا احساس اس وقت تک ہونا مشکل ہے، جب تک ہمارے دل ودماغ میں بجلی کے بے جا استعمال اور فضول ضیاع کے دنیوی اور اخروی نقصانات کا صحیح نقشہ بیٹھ نہ جائے بلکہ راسخ نہ ہوجائے، اس کے لئے ہمیں اپنے آپ کو غفلت سے نکالنے کی ضرورت ہوگی اور بگڑے ہوئے معاشرے کی ہوا کے رخ پر چلنے کے بجائے مخالف سمت میں چلنا ہوگا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہماری غفلت دور ہو اور ہر چیز کے نتائج وعواقب کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ہمیں ہمت حاصل ہو۔

آتش بازی کا مظاہرہ یا مقابلہ

آج کل دینِ اسلام بلکہ حقیقی تہذیب وتمدن سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں نے ایسی چیزوں کو تہذیب سمجھ کر اپنا لیا ہے جو بقول ایک بزرگ ''تہذیب کے بجائے تعذیب ہوتی ہیں''

مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کو تہذیب سمجھا جاتا ہے وہ انسان کے حق میں عذاب کی حیثیت رکھتی ہیں، آخرت کے اعتبار سے تو عذاب ہوتی ہی ہیں، دنیا کے لحاظ سے بھی عذاب اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں، ان ہی میں سے ایک ''تہذیب'' بمعنیٰ ''تعذیب'' آتش بازی کی رسم ہے، یہ آتش بازی کیا ہے دراصل جان ومال اور اس سے بڑھ کر ایمان بازی ہے، یعنی جان ومال اور ایمان کو داؤ اور بازی پر لگا دینے والی بات ہے، پہلے تو صرف شادی بیاہ کے موقع پر یا بعض مخصوص دنوں میں بچوں کی طرف سے آتش بازی کا کھیل

کھیلا جاتا تھا، مگر اب اس بدبخت رسم میں بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے، ذرا ذرا سے بہانے بنا کر آتش بازی کی رسم میں جان و مال سے کھیلا جاتا ہے۔ سیاسی لوگوں نے تو آتش بازی کی رسم میں حد ہی کردی ہے، انہوں نے آتش بازی کو مداری کی ڈگ ڈگی سمجھ لیا ہے، جہاں کوئی جلسہ جلوس منعقد کیا جاتا ہے فوراً آتش بازی کی سوجھتی ہے، اس مرتبہ راولپنڈی جیسے شہر میں چودہ اگست کے موقع تمام بڑی سیاسی پارٹیوں نے ''سوائے چند ایک کے'' آتش بازی کا مظاہرہ کیا، اس سے پہلے تو بعض محدود شخصیات کی طرف سے چودہ اگست کے موقع پر رات کو آتش بازی کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے، مگر اس مرتبہ یہ مظاہرہ مقابلہ کی شکل اختیار کر گیا۔ ہر پارٹی نے دوسرے کو اس رسم میں نیچا دکھانے اور اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلہ میں اس گناہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کی، اور چند منٹوں میں لاکھوں روپیہ راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں اچھے اور نیک کام میں دوسرے کی تقلید اور اس سے آگے بڑھنے کے بجائے برے کاموں میں ہی تقلید کرنے اور مقابلہ بازی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سب سے بڑی قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ مہینوں پہلے ''آتش بازی کا شاندار مظاہرہ'' کے اعلانات اور اس کی تشہیر کی جاتی ہے، بینر آویزاں کئے جاتے ہیں، ہر طرح کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کرکے بچے بچے کے دل و دماغ میں آتش بازی کی اہمیت وعظمت کو بٹھانے اور اس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں امیر وغریب اور بچے بڑے، عورت و مرد کے دماغ سے اس رسم کے گناہ ہونے کا تصور ختم ہوتا جارہا ہے، یہ تو چوری اور سینہ زوری والا معاملہ ہے، گناہ کی تشہیر وتبلیغ کرنا، اس کا اظہار کرنا اور اس پر فخر وتفاخر اور عزت وعظمت کا لیبل لگانا دنیا و آخرت کے اعتبار سے تباہ کن معاملہ ہے۔

اس مرحلہ پر وہ عوام الناس جو اس آتش بازی کے مظاہرہ کو دیکھتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور رات گئے تک اس رسمِ بد کے منظر کو دیکھنے کی خاطر جاگتے ہیں، وہ بھی اس جرم میں شریک ہیں، کیونکہ یہ مظاہرہ تو ہوتا ہی تماش بینوں کے لئے ہے، اگر تماش بین مظاہرہ کو دیکھنے کے لئے مہیا نہ ہوں، تو وہ مظاہرہ مظاہرہ کہاں رہے گا، لہٰذا اس قسم کی رسمِ بد کے مناظر کو دیکھنے اور شوق رکھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ خوفِ خدا کریں اور کھلے آسمان تلے اس آسمان کی طرف جانے والی آتش بازی کی ملعون رسم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو دعوت نہ دیں، ورنہ آتش بازی کے مظاہروں اور مقابلوں کو منعقد کرنے والوں کے ساتھ یہ لوگ بھی وبال میں شریک ومبتلا سمجھے جائیں گے۔ محمد رضوان۔ ۲۴/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۲۳، آیت نمبر۳۰) مفتی محمد رضوان

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش وخلافت

وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے، ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب، کہنے لگے (فرشتے) کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں، اور خونریزیاں کریں گے، اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ، اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے ۞

تفسیر وتشریح

گزشتہ مضمون سے تعلق

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عام وخاص نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، اور بتلایا تھا کہ آسمان وزمین اور دیگر مخلوقات کو انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اب ان مخلوقات سے فائدہ اٹھانے والی مخلوق یعنی انسان کا ذکر فرماتے ہیں (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ فرشتے اور جنات تو انسان سے پہلے سے موجود تھے، یہ بھی تو زمین وآسمان اور دوسری مخلوقات سے فائدہ اٹھاتے ہونگے، پھر انسان کے لئے یہ خصوصیت کہاں رہی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو تو بیوی بچوں کی ضرورت نہیں، کھانے پینے کی حاجت نہیں، وہ انسانوں کی طرح زندہ رہنے کے لئے مخلوقات کے محتاج نہیں، کیونکہ ان میں ان چیزوں کی شہوت وخواہش نہیں، اور جنات اگرچہ بہت سی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، مگر وہ اپنے بدن کے لطیف اور آگ سے پیدا ہونے

کی وجہ سے بہت سی چیزوں سے مستغنی ہیں، نہ ان کو رہنے کے لئے مستقل مکان کی ضرورت اور نہ اپنی حفاظت کے لئے ہتھیاروں وغیرہ کے محتاج ہیں، اس لئے جنات کا زمینی وآسمانی مخلوقات سے فائدہ اٹھانا ناقص اور نا تمام ہے، اور انسان ان آسمان وزمین کی مخلوقات سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل ہے، انسان کا جسم چار عناصر سے مرکب ہے یعنی آگ، پانی، مٹی، ہوا، اور انسان کی روح بہت لطیف ہے، اس لئے انسان میں زمینی وآسمانی، سفلی وعلوی مخلوقات سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے، اس لئے انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہوئی جو زمین وآسمان کی نعمتوں سے مکمل فائدہ اٹھانے کی مستحق ہے (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

اس کے علاوہ ان آیات کا گذشتہ آیات سے یہ تعلق بھی ہے کہ نعمتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک صوری یعنی ظاہری اور محسوس نعمتیں، جیسے کھانا، پینا، روپیہ پیسہ، مکان وجائیداد وغیرہ۔ اور دوسری معنوی یعنی غیر محسوس وغیر ظاہری نعمتیں، جیسے عزت وآبرو، خوشی، علم۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صوری اور ظاہری نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، اور اس کے بعد کی گیارہ آیتوں میں معنوی نعمتوں کا ذکر ہے، کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو علم کی دولت عطا کی، اور فرشتوں سے ان کو سجدہ کرا کر عزت بخشی اور تمہیں ان کی اولاد میں ہونے کا فخر عطا کیا (معارف القرآن عثمانی بتغیر)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کی دنیا میں خلافت قائم کرنے کا ارادہ فرمایا، تو پہلے فرشتوں کے سامنے اپنے اس ارادہ کو ظاہر فرمایا، تاکہ وہ اس معاملہ میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

آدم علیہ السلام کی پیدائش اور خلافت کے واقعہ کو فرشتوں پر ظاہر کرنے کی وجہ

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے اس واقعہ کا اظہار کس غرض سے کیا تھا؟ کیا فرشتوں کو صرف اطلاع دینا مقصود تھا، یا ان کی رائے حاصل کرنا مقصود تھا، یا پھر فرشتوں کا امتحان لینا مقصود تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے کئی مقاصد وفوائد ہو سکتے ہیں:

(۱)......مثلاً اس واقعہ کو فرشتوں کے سامنے ظاہر کرنے کا ایک مقصد اور فائدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے نظام کو چلانے کے لئے فرشتوں کو ذمہ داریاں سپرد کی ہوئی ہیں، اور ان کو نگران بنایا ہوا ہے، جیسے آسمان سے پانی برسانا، گرم اور ٹھنڈی ہواؤں کو چلانا، زمین سے درختوں اور فصلوں کا اگانا وغیرہ

وغیرہ، غرضیکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عامل اور کارکن ہیں، اس لئے ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ اپنے اس اقدام سے بندوں کو مشورہ کی تعلیم دینا چاہتے ہیں، کہ اس قسم کے معاملات میں بڑے کو اپنے چھوٹے کارندوں عاملوں اور کارکنوں سے مشورہ کرنا چاہئے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کے راضی ہونے نہ ہونے کے محتاج نہیں، جس طرح حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ حضور ﷺ پر تو وحی نازل ہوتی تھی، آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ تمام کاموں کی ہدایات دی جاتی تھیں، مگر آپ ﷺ نے خود اپنے عمل کے ذریعہ مشورہ کی سنت کی امت کو تعلیم دی، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو تاکید فرمائی (معارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۱۸)

(۲)......فرشتوں کے سامنے اس واقعہ کو ظاہر کرنے کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ انسان کی پیدائش سے پہلے فرشتے یہ سمجھتے تھے کہ ہم سے زیادہ اپنا مقرب اور پسندیدہ، افضل اور اَعْلَم (زیادہ علم والا) کوئی دوسرا مخلوق میں اللہ تعالیٰ پیدا نہیں فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے سے پہلے فرشتوں کے سامنے اس واقعہ کو ظاہر فرما کر اور پھر فرشتوں کی طرف سے عاجزانہ درخواست پیش ہونے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے ان پر افضل، اشرف واَعْلَم (زیادہ علم والا) ہونے کا اظہار فرمایا، تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ واقعی جس کو خلیفہ بنایا جارہا ہے وہ ہم سے افضل واشرف ہے (معارف القرآن عثمانی ج ا ص ۱۷۹، بتغیر)

فرشتے کون اور کیا ہیں؟

اس آیت میں فرشتوں کا ذکر بھی آیا ہے، ملائکہ فرشتوں کا نام ہے، اس لئے فرشتوں کی حقیقت معلوم ہونی چاہئے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے محترم ومکرم بندے ہیں، جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں، گناہوں سے معصوم اور پوری طرح پاک ہیں، خطا، لغزش اور بھول چوک سے محفوظ ہیں، کھانے پینے کی ضرورت سے بے نیاز ہیں، نر اور مادہ کی صفت سے خالی ہیں، نہ ان کو مرد کہا جاسکتا، نہ عورت، فرشتوں پر مذکورہ صفات کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں (معارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۱۸ بتغیر)

خلیفۃ اللہ کا مصداق کون ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ فرمایا ہے، خلیفہ کے معنیٰ ہیں ''نائب اور قائم مقام'' اس خلافت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات بندوں تک پہنچانا اور انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بننا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضور ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام بھی اللہ کے خلیفہ ہیں، حضور ﷺ

زمین میں اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری خلیفہ ہیں، زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ و جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ و نائب اس کا رسول ہوتا ہے، جب اس خلافت کا سلسلہ حضور ﷺ پر ختم ہو گیا تو اس کے بعد رسول کی خلافت کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا، خلیفۃ اللہ کی یہی تفسیر راجح قرار دی گئی ہے، اس تفسیر کی رُو سے نبیوں کے علاوہ کسی بھی دوسرے مخصوص انسان کو خلیفۃ اللہ یعنی اللہ کا خلیفہ قرار دینا اور سمجھنا صحیح نہیں، البتہ اگر فرشتوں اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں جنسِ انسان یا جنسِ بشر کو (یعنی نبی کے علاوہ کسی مخصوص انسان کی تخصیص کے بغیر) اللہ کا خلیفہ کہا جائے تو درست ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دیگر مخلوقات میں سے جنسِ بشر کو ہی خلافت کے لئے منتخب فرمایا ہے (معارف القرآن ج ا ص ۱۸۳ و ۱۸۶ بتغیر واضافہ)

خلیفۃ اللہ کی مذکورہ تفسیر کی روشنی میں فساد اور خونریزی کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ہی اپنے آنے والی ذریت اور اولاد کی پیدائش کا سبب تھے، یا ان میں فساد اور خونریزی کی قوت تھی، فرشتوں کی طرح نہ تھے، وہ الگ بات ہے کہ نبی ہونے کی وجہ سے اپنے شر کی قوت کو استعمال نہ کریں اور ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوں۔ [1]

''حضرت عبداللہ ابن عباس وعبداللہ بن مسعود ودیگر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب اللہ نے یہ فرمایا **انی جاعل فی الارض خلیفة** تو فرشتوں نے عرض کیا کہ وہ خلیفہ کیسا ہوگا؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اس خلیفہ کی (دوسری صفات کے علاوہ ایک صفت یہ بھی ہے) کہ اس کی آگے نسل چلے گی اور ذریت ہوگی اور وہ زمین میں فساد بھی کرے گی اور ایک دوسرے پر حسد کریگی اور ایک دوسرے کو قتل کریگی (معارف القرآن ادریسی ج ا ص ۱۱۹، بحوالہ ابن کثیر)

فرشتوں نے اپنے علم وبصیرت کے مطابق نیازمندی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ کے فعل پر کوئی اعتراض مقصد نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حکمت دریافت کرنا مقصود تھا، کہ اگر اس مخلوق کو پیدا کرنے سے مقصد

---

[1] علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف تفسیر ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:

والخليفة من يخلف غيره وينوب عنه ......والمشهور ان المرادبه آدم عليه السلام وهوالموافق للرواية ولافراداللفظ ولمافى السياق ونسبة سفك الدم والفساد اليه حينئذ بطريق التسبب اوالمراد بمن يفسد الخ من فيه قوة ذالك ومعنى كونه خليفة انه خليفة الله فى ارضه وكذا كل نبى استخلفهم فى عمارة الارض وسياسة الناس وتكميل نفوسهم وتنفيذ امره فيهم لالحاجة به تعالىٰ (الى ان قال)وعنداهل الله تعالىٰ : المراد بالخليفة آدم وهوعليه السلام خليفة الله تعالىٰ وابوالخلفاء والمجلى له سبحانه وتعالىٰ......ومن هناقال : الخليفة الاعظم ﷺ الخ (روح المعانى ج ١ ص ٢٢٠)(وهكذا نقل عنه الشيخ علاء الدين فى تفسير الخازن ج ١ ص ٤٢)

بندگی اور عبادت ہے تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں، اور ہر وقت تیری اطاعت اور بندگی میں مشغول ہیں اور تیری معصیت اور نافرمانی سے بالکل پاک اور بری ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلے مختصر جواب یہ ارشاد فرمایا:

اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَاتَعْلَمُوْنَ. میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔

یعنی تم خلافتِ الٰہی کی حقیقت اور اس کے لوازم سے واقف نہیں ہو، اس کی پوری حقیقت کو ہم ہی جانتے ہیں اور جس کو تم نیابت وخلافت کے خلاف سمجھ رہے ہو در حقیقت وہی اس کا اہل ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مقدس، معصوم مخلوق فرشتے پیدا کئے ہیں جن سے کسی گناہ اور غلطی کا امکان ہی نہیں اور جس طرح شیاطین پیدا کئے ہیں، جن سے نیکی اور بھلائی کا امکان نہیں، اسی طرح ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا بھی ضروری ہے، جو خیر وشر، نیکی اور بدی کا ملاجلا مجموعہ ہو، اور اس میں خیر وشر کے دونوں جذبات ہوں اور وہ شر کے جذبات کو مغلوب کر کے خیر کے میدان میں آگے بڑھے، اور اسی جنس کو خلیفہ قرار دیا جائے (معارف القرآن عثمانی ج۱ص۱۸۱،۱۸۲ بتغیر)

حضور ﷺ کے خلیفۃ اللہ ہونے کی جامعیت وخصوصیات

حضور ﷺ کی خلافت دوسرے نبیوں کی خلافت سے زیادہ جامع ہے جس کی چند خصوصیات ہیں مثلاً:

✪ حضور ﷺ کو تمام عالم کا نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا، جبکہ پہلے نبیوں کی نبوت وخلافت خاص ملکوں اور قوموں کے لئے محدود ہوا کرتی تھی ✪ حضور ﷺ کی خلافت ونیابت مخصوص زمانے کے لئے نہیں جس طرح پہلے نبیوں کی ہوا کرتی تھی، بلکہ قیامت تک قائم رہے گی، جب تک زمین وآسمان اور زمانہ کا وجود ہے، آپ ﷺ کی خلافت بھی اس وقت تک زمین میں قائم ہے ✪ پہلے نبیوں کی تعلیمات وشریعت ایک زمانہ تک محفوظ رہتی اور چلتی تھی، جبکہ حضور ﷺ کی تعلیمات اور شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی، اور اس میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی ✪ پہلے نبیوں کی خلافت ونیابت والا کام بعد میں آنے والا نبی سنبھالتا تھا مگر آپ ﷺ قیامت تک خلیفۃ اللہ ہیں، آپ ﷺ کے وصال کے بعد درجہ بدرجہ خلیفۃ الرسول اور نائب الرسول ہونگے ✪ حضور ﷺ کے بعد آپ کی امت کے مجموعے کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی اور غلطی سے معصوم قرار دیا، جو نبیوں کی شان ہوتی ہے، چنانچہ حضور ﷺ کی پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہوگی، پوری امت جس مسئلہ پر اجماع واتفاق کرلے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا مظہر سمجھا جائے گا، اسی لئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے بعد اسلام میں تیسری حجت ''اجماعِ امت'' قرار دی گئی ہے (معارف القرآن عثمانی ج۱ص۱۸۴،۱۸۵)

مولانا محمد ناصر

درسِ حدیث

احادیث مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

صبح سویرے کام شروع کرنے کی برکات

عَنْ صَخْرِبْنِ وُدَاعَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ قَالَ :اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا (ابو داؤد ، کتاب الجھاد، باب فی الابتکار فی السفر)

حضرت صخر بن وداعۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے (اللہ تعالیٰ سے) یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ میری امت کے صبح کے وقت میں برکت ڈال دیجئے (ابوداؤد)

حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لئے یہ دعا اور بھی بہت سے مواقع پر فرمائی ہے اور یہ دعا فرما کر اپنی امت کو اس بابرکت وقت کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا اور صبح کے وقت میں بعض اعمال اختیار کرنے کی خاص طور پر اپنی امت کو تلقین فرمائی۔

علم میں برکت حاصل کرنے کا وقت

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اس بابرکت وقت میں علم حاصل کرنے میں مشغول ہونے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ فرمایا:

اُغْدُوْافِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَاِنِّیْ سَأَلْتُ رَبِّیْ اَنْ یُّبَارِکَ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا (جامع صغیر، حدیث نمبر ۱۲۱۴ بحوالہ طبرانی فی الاوسط عن عائشۃ رضی اللہ عنھا)

یعنی صبح سویرے ہی علم حاصل کرنے میں مشغول ہوجایا کرو، اس لئے کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے صبح کے وقت میں برکت کی دعا مانگی ہے (جامع صغیر)

صبح کے وقت انسان کا ذہن عموماً ہر قسم کے افکار اور خیالات سے خالی ہوتا ہے اس لیے اگر اس وقت میں علم حاصل کرنے میں مشغول ہوا جائے تو مضبوط اور گہرا علم حاصل ہو کر لمبے عرصے کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایسے علم کے بھولنے کے خطرات بھی کم ہوتے ہیں، اسی وجہ سے علماء نے علم کی طلب میں صبح سے ہی مشغول ہونے کو مستحب فرمایا ہے (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۳، حرف الباء الموحدۃ، حدیث نمبر ۳۱۲۳)

Iqra Ghufran

رزق میں برکت حاصل کرنے کا وقت

ایک روایت میں آپ ﷺ نے صبح سویرے سے رزق کی تلاش میں نکلنے کو رزق میں برکت کا ذریعہ بتلایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

بَاکِرُوْا الْغُدُوَّ فِیْ طَلَبِ الرِّزْقِ ،فَاِنَّ الْغُدُوَّةَ بَرَکَةٌ وَنَجَاحٌ (الترغیب والترھیب جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

''یعنی رزق کی تلاش میں صبح سے ہی نکل پڑا کرو، اس لیے کہ (اللہ تعالیٰ نے) صبح کے وقت میں برکت اور کامیابی (رکھی) ہے''

مطلب یہ ہے کہ صبح کے وقت جو بھی خیر کا کام کیا جائے اور جس بھی جائز ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نکلا جائے، اس میں کامیابی وکامرانی اور مقصد حاصل ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے (فیض القدیر)

ایک صحابی حضرت صخر بن وداعۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب بھی کوئی جماعت یا کوئی لشکر کسی مہم کی طرف روانہ فرماتے تھے تو ہمیشہ صبح سویرے ہی اُسے روانہ فرمایا کرتے تھے (سنن ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فی الابتکار فی السفر ج ا ص ۳۵۸) سنن ابی داؤد میں حدیث مذکور کے بعد اس حدیث کے ایک راوی صخر بن وداعۃ کا یہ عمل بھی مذکور ہے کہ وہ ایک تجارت پیشہ صاحب تھے جو صبح صبح ہی اپنے غلاموں کو سامانِ تجارت دے کر روانہ کیا کرتے تھے، جس سے وہ دولتمند ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کا مال کافی زیادہ ہو گیا (بذل المجھود ج ۴ ص ۲۳۴)

لہٰذا اپنی تجارت میں ترقی اور رزق میں برکت کے لئے جہاں اور ظاہری تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا گوارا کر لیا جاتا ہے وہاں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بتلائی ہوئی تعلیمات پر بھی عمل کرنا چاہیے بلکہ نبی کریم ﷺ کا امتی ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان کا ذہن پہلے اپنے نبی کی تعلیمات کی طرف جانا چاہیے۔

تمام جائز کاموں میں برکت حاصل کرنے کا وقت

ایک روایت میں آپ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد اہتمام سے دعا کرنے اور پھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جانے کی اپنی امت کو تعلیم دی ہے، فرمایا:

اِذَا صَلَّیْتُمُ الصُّبْحَ فَافْزَعُوْٓا اِلَی الدُّعَآءِ وَبَاکِرُوْا فِیْ طَلَبِ الْحَوَائِجِ اَللّٰھُمَّ

بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا (الجامع الصغیر حدیث نمبر ۳۰۹۴ بحوالہ ابن عساکر عن علی)

یعنی جب تم صبح کی نماز پڑھ چکو تو خوب گڑگڑا کر دعا کرو اور (پھر) اپنی ضروریات پوری کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔ اے اللہ میری امت کے صبح کے وقت میں برکت ڈال دیجئے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت پر کتنے شفیق ہیں کہ ایک طرف تو اپنی امت کو نصیحت فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے دعائیں بھی فرما رہے ہیں، اتنے شفیق اور مہربان نبی کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا بہت افسوس اور نقصان کی بات ہے۔

سفر شروع کرنے کا بہترین وقت

ایک روایت میں آپ ﷺ نے سفر شروع کرنے کے لئے سحری کے وقت کا انتخاب کرنے کی تلقین فرمائی:

عَلَیْکُمْ بِالدُّلْجَةِ فَاِنَّ الْاَرْضَ تُطْوٰی بِاللَّیْلِ (ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فی الدلجة ج ۱ ص ۳۵۴)

سفر کے لئے دلجة (یعنی رات کے آخری حصہ) کے وقت نکل جانے پر عمل کرو اس لیے کہ زمین کو رات کے وقت سکیڑ (یعنی لپیٹ) دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ صبح سویرے شروع کیے ہوئے سفر کا جلدی طے ہو جانا صبح کے وقت میں برکت ہونے کی وجہ سے ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ جو سفر صبح سویرے ہی شروع کیا جائے وہ جلدی طے ہوتا ہے اور سفر کرنے والے کو یوں لگتا ہے کہ اس نے تھوڑا سفر طے کیا ہے حالانکہ وہ لمبا سفر طے کر چکا ہوتا ہے (بذل المجھود ج ۴ ص ۲۲۴، شرح سنن ابوداؤد، کتاب الجھاد باب فی الدلجة)

اس لیے کوئی بھی سفر خواہ تجارت کے لئے ہو یا زراعت کے لئے، یا پھر طلبِ علم کے لئے، اور جسمانی صحت کی تلاش ہو یا روحانی صحت کی، غرضیکہ تمام جائز کاموں کے لئے ممکن ہو تو صبح کا وقت اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس لئے کہ اس وقت میں کیے جانے والے کاموں میں برکت بھی ہوتی ہے اور آسانی بھی اور کامیابی کی بھی زیادہ امید ہوتی ہے کیونکہ اس وقت میں ذہنی، جسمانی و روحانی قوتیں بھی چست اور تازہ دم ہوتی ہیں اس طرح کام اچھا بھی ہوتا ہے اور آسان بھی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس وقت اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس لئے مردوں اور عورتوں کو یہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے، فجر کی نماز اور تلاوتِ قرآن کے بعد مردوں کو اپنے کاموں میں اور خواتین کو گھریلو کاموں میں مصروف ہو جانا چاہیے، اس پر عمل کرنے والے

اپنے اوقات اور اپنے کاموں میں برکت کا کُھلی آنکھوں مشاہدہ کریں گے (نمازِ فجر کا اہتمام صفحہ ۲۰ بتغیر)

صبح کے وقت کی ناقدری کا وبال

صبح کا وقت اپنی قدر کرنے والوں کے لئے جہاں خیر اور بھلائی کا ذریعہ ہے وہاں اپنی ناقدری کرنے والوں کے حق میں وبال اور محروم کرنے کا ذریعہ بھی ہے، آج کل عام طور پر صبح کا وقت سو کر ہی ضائع کیا جاتا ہے، پھر بعض بدنصیب تو فجر کی نماز سے بھی محروم ہوجاتے ہیں اور بعض نیکوکار فجر کی نماز پڑھ کر سوجاتے ہیں حالانکہ صبح صادق سے سورج نکلنے کے درمیان سونے کو آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ سورج نکلنے سے پہلے سونے سے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے لیٹی ہوئی تھیں کہ حضور ﷺ اُن کے پاس سے گزرے اور اُنہیں اپنے قدم مبارک سے ہلا کر فرمایا کہ:

یَابُنَیَّۃُ! قُوْمِیْ اِشْھَدِیْ رِزْقَ رَبِّکِ، وَلَا تَکُوْنِیْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ، فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقْسِمُ اَرْزَاقَ النَّاسِ مَابَیْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ (رواہ البیھقی بحوالہ الترغیب والترھیب جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

”اُٹھو بیٹی! اپنے پروردگار کے رزق تقسیم کرنے کے وقت حاضر رہو اور غفلت میں مبتلا لوگوں کی طرح نہ بنو، کیونکہ اللہ تعالیٰ صبح صادق سے سورج نکلنے تک لوگوں میں اُن کا رزق تقسیم کرتے ہیں“ (رواہ البیہقی بحوالہ الترغیب والترھیب جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

ایک حدیث میں ہے کہ:

نَوْمُ الصُّبْحَۃِ یَمْنَعُ الرِّزْقَ (رواہ احمد والبیھقی وغیرھما بحوالہ الترغیب والترھیب جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

یعنی صبح کی نیند بندے کو رزق سے محروم کر دیتی ہے (رواہ احمد والبیہقی وغیرھما)

اس لیے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد سویا ہی نہ جائے بلکہ اپنے کاموں میں مشغول ہوا جائے لیکن اگر مجبوری ہو تو کم از کم سورج نکلنے سے پہلے سونے سے بچا جائے ورنہ رزق سے محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا یہ ساری تفصیل تو اُس کے لئے ہے جو فجر کی نماز ادا کرلے کیونکہ فجر کی نماز کی احادیث میں بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر ج ۱)

''تم انسانوں میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری بدلتے رہتے ہیں اور نمازِ فجر اور نمازِ عصر میں یہ سب فرشتے جمع ہوجاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے درمیان رات گزاری ہوتی ہے وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے۔ حالانکہ اسے ان سب باتوں کا علم ہے۔ کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟ تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے'' (صحیح بخاری)

ان دونوں نمازوں میں فرشتوں کے اس نورانی اجتماع کی برکات سے اپنے آپ کو محروم رکھنا کتنے افسوس اور نادانی کی بات ہے اور اس کے برخلاف جو شخص ان دونوں نمازوں میں حاضر ہو اس کا ذکرِ خیر فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونا کتنی خوش نصیبی کی بات ہے۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

وَلَوْيَعْلَمُوْنَ مَافِي الصُّبْحِ وَالْعَتَمَةِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا (صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب وقت العشاء وتأخیرھا ج ۱ ص ۲۲۹)

''اگر لوگوں کو عشاء اور صبح کی نماز کے ثواب کا علم ہوجائے تو لوگ ان دونوں نمازوں میں ضرور شریک ہوں خواہ ان کو گھسٹ گھسٹ کر آنا پڑے'' (صحیح مسلم بشرح النووی)

اور ایک روایت میں ہے کہ فجر کی اور عشاء کی نماز منافقین پر بہت زیادہ بھاری ہوتی ہے چنانچہ فرمایا:

اِنَّ اَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنھا)

''بے شک منافقین پر سب سے زیادہ بھاری نماز نمازِ فجر اور نمازِ عشاء ہے'' (صحیح مسلم)

اس لیے نمازِ فجر کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے اور یہ تب ہی ہوگا جبکہ رات کو فضول وقت ضائع کرنے کے

بجائے جلدی سونے کا اہتمام کیا جائے، اسی لئے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے عشاء کے بعد فضول گفتگو کرنے کو ناپسند فرمایا ہے وہ حدیث یہ ہے:

كَانَ لاَ يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلاَ الْحَدِيْثَ بَعْدَهَا (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها وهو التغلیس، ج ا ص ۲۳۰)

"رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے" (صحیح مسلم)

لہٰذا رات کو جلدی سونے کا اہتمام کرنا چاہیے ورنہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص فجر کی نماز سے محروم ہوگا وہ صبح کے وقت سے متعلق احادیث میں بیان کی گئی تمام فضیلتوں سے محروم ہوگا (نمازِ فجر کا اہتمام بتغیر)

حضور ﷺ نے صبح کے وقت کی اہمیت کے بارے میں جو نصیحتیں اور دعائیں فرمائیں ہیں، اپنی امت کے مسلمان مردوں اور عورتوں ہی کے لئے فرمائی ہیں، اگر مسلمان مرد اور عورتیں ان نصیحتوں پر عمل نہیں کریں گے تو کون کریں گے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ کی تمام نصیحتوں پر عمل کیا اور دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی اور عزت اور سرخروئی حاصل کی جبکہ ہم نے ان نصیحتوں پر عمل نہیں کیا تو آج ہم میں سے ہر ایک اپنے اعمال اور زندگی میں بے برکتی محسوس کر رہا ہے، اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو آپ ﷺ کی ان نصیحتوں پر عمل کرنا چاہیے اور یہ سوچ کر کہ دوسرے لوگ جب ان تعلیمات پر عمل شروع کریں گے یا معاشرہ بدلے گا تو ہم بھی اپنے آپ کو بدل لیں گے، اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنے اوقات اور اپنی زندگی میں برکت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کی نصیحتوں پر عمل کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صبح کے بابرکت وقت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

بسلسلہ : تاریخی معلومات

مولوی طارق محمود

ماہِ شعبان: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۲ھ**: میں حضرت ابوسفیان الحمیری الحذاء رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی روایات بہت کم ہیں، عراق کے شہر واسط میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۱۴)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۳ھ**: میں حضرت خزیمہ بن خازن النھشلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کو عباسی خلفاء کے دربار میں اہم مقام حاصل تھا، آپ نے حدیث کی سند عبداللہ بن ابی ذئب رحمہ اللہ سے حاصل کی، آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے (المنتظم حتی ۲۵۷ ج ۱۰ ص ۱۱۸)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۴ھ**: میں حضرت اشہب بن عبدالعزیز ابوعمرو العامری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۴۰ھ میں ہوئی، وفات کے وقت عمر ۶۴ سال تھی، آپ بہت مالدار اور جاہ وجلال کے مالک تھے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصر میں اشہب بن عبدالعزیز جیسا فقیہہ پیدا نہیں ہوا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۵، المنتظم ۲۵۷ ج ۱۰ ص ۱۳۱، شذرات الذھب ج ۱ ص ۱۲)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۷ھ**: میں بصرہ کے قاضی یزید بن عمر الزھرانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ امام شعبہ، عکرمہ بن عمار رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۱)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۷ھ**: میں حضرت ابوسہل کثیر بن ہشام رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ بغداد میں رہتے تھے، حدیث کے معاملے میں ثقہ اور صدوق شمار ہوتے ہیں (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۴)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۷ھ**: میں حضرت کثیر بن ہشام الکلابی الرقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ جعفر بن برقان رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۳، شذرات الذھب ج ۱ ص ۱۷)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۹ھ**: میں حضرت ابوعون جعفر بن عمرو بن حریث المخزومی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، عباسی خلیفہ مامون کے دورِ خلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی، آپ کی روایتیں بہت کثرت سے ہیں، اور حدیث میں ثقہ شمار ہوتے ہیں (الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۳۹۶)

❏......**ماہِ شعبان ۲۰۹ھ**: میں حضرت ابوعمرو حفص بن عبداللہ بن راشد السلمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابراہیم بن طھمان، اسرائیل بن یونس اور سفیان ثوری رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں،

Idara Ghufran

آپ سے آپ کے بیٹے احمد، قطن بن ابراہیم القشیری رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں (طبقات الحفاظ ج ا ص ۱۶۲)

❐......ماہِ شعبان ۲۰۹ھ: میں حضرت ابومحمد بشر بن عمر الزہرانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، بصرہ میں وفات ہوئی اور یحییٰ بن اکثم رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۰)

❐......ماہِ شعبان ۲۱۱ھ: میں حضرت ابوزیاد عبدالرحیم بن عبدالرحمان بن محمد المحاربی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ زائدۃ بن قدامہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، عباسی خلیفہ مامون کے دورِ خلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۴۰۷)

❐......ماہِ شعبان ۲۱۵ھ: میں حضرت مکی بن ابراھیم بن بشر بن فرقد البرجمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کے اساتذہ میں بہز بن حکیم، ابنِ جریج اور امام مالک بن انس رحمہم اللہ شامل ہیں، آپ کے چند مشہور شاگرد یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور حسن بن عرفہ رحمہم اللہ، تقریباً ۱۰۰ سال کی عمر میں وسطی ایشیا کے شہر بلخ میں وفات ہوئی (المنتظم حتی ۲۵۷ ج ۱۰ ص ۲۷۳)

❐......ماہِ شعبان ۲۱۹ھ: میں حضرت ابونعیم الفضل بن دکین الملائی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ طلحہ بن عبداللہ التمیمی کے غلام تھے، ۱۳۰ھ میں ولادت ہوئی، آپ کے اساتذہ میں اعمش، مسعر، زکریا بن ابی زائدہ، ابنِ ابی لیلیٰ اور شعبہ رحمہم اللہ جیسے اکابر شامل ہیں، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل، ابوزرعۃ، امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (الکامل ج ۶ ص ۱۷، تاریخِ خلیفہ بن خیاط ج ا ص ۴۷۶، المنتظم ۲۵۷ ج ۱۱ ص ۴۹، الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۴۰۰)

❐......ماہِ شعبان ۲۲۰ھ: میں حضرت ابوعمر الضریر حفص بن عمر البصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، حمادین اور بشر بن المفضل رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ابوداؤد، احمد بن حنبل، ابوزرعۃ، ابوحاتم اور یعقوب بن شیبۃ رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، آپ کو علم الفرائض، علم الحساب، علم الشعر میں خصوصی مہارت حاصل تھی (طبقات الحفاظ ج ا ص ۱۷۹)

❐......ماہِ شعبان ۲۲۱ھ: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عثمان بن جبلۃ بن ابی داؤد میمون رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ۱۴۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، شعبہ، ابوحمزہ، مالک بن انس، عیسیٰ بن عبید، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید اور یزید بن زریع رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِفہرست ہیں البتہ امام شعبہ رحمہ اللہ سے آپ نے صرف ایک روایت کی ہے، آپ سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، نسائی، احمد بن

شبویہ، احمد بن سیار اور محمد بن علی بن الحسن رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں، ۶۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۷۲)

□......**ماہِ شعبان ۲۲۲ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن ابوحفص رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، بقیہ، عبداللہ بن مبارک، ابی الاحوص، ھشیم اور شریک رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، آپ فالج کے مرض میں مبتلا تھے، اور ابواسحاق بن ھارون کے دورِ خلاف میں وفات ہوئی، اور خیزران کے مقبرہ میں دفن ہوئے (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۰)

□......**ماہِ شعبان ۲۲۴ھ**: میں حضرت ابوصالح عبدالغفار بن داؤد بن مہران البکری الحرانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ۱۴۰ھ میں ولادت ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت حماد بن سلمۃ، زہیر بن معاویۃ، عبداللہ بن عیاش القتبانی، لیث بن سعد، عبداللہ بن لہیعۃ، یعقوب بن عبدالرحمٰن، ابوالملیح الرقی اور اسماعیل بن عیاش رحمہم اللہ سے کی، امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، محمد بن عون الطائی، ابوبکر الاثرم اور ابوزرعۃ النصری رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک فقیہ بھی تھے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد تھے، مصر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۳۹)

□......**ماہِ شعبان ۲۲۵ھ**: میں افشین کو قید میں قتل کردیا گیا، افشین عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کا ممتاز امیر تھا، لیکن درپردہ اپنے آبائی مذہب بت پرستی پر قائم تھا، اس کے درمیان اور ایک اور امیر عبداللہ بن طاہر کے درمیان باہم چپقلش رہتی تھی، بابک نامی علاقے کو اس نے فتح کیا، لیکن درپردہ بہت سے اموال اپنے علاقے بھیجتا رہا، جس میں یہ پکڑا بھی گیا، اور طبرستان کے حاکم مازیار کو اس نے بغاوت پر بھی اکسایا، لیکن یہ بغاوت بھی ناکام ہوگئی، خلیفہ المعتصم باللہ کو جب اس کے متعلق علم ہوا تو اس کا رویہ اس سے تبدیل ہوگیا، افشین نے چاہا کہ وہ موقع پاکر آرمینیا بھاگ جائے، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی، آخر اس نے معتصم اور بڑے افسروں کو دعوت میں زہر کھلا دینے کا منصوبہ بنایا، لیکن یہ منصوبہ بھی کامیاب نہ ہوا، اور معتصم نے اس کو قید کرا کر قید میں ہی مروا ڈالا (تاریخ اسلام ندوی ج ۳ ص ۱۹۵، المنتظم حتی ۲۵۷ ج ۲ ص ۱۱۲، الکامل ج ۶ ص ۶۵)

□......**ماہِ شعبان ۲۳۱ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن زیاد رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ابنِ الاعرابی کے نام سے مشہور تھے، ۱۵۰ھ میں کوفہ میں ولادت ہوئی، ۸۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی، آپ امام اللغۃ شمار ہوتے تھے، آپ ابومعاویۃ الضریر، قاسم بن معن اور ابوالحسن الکسائی رحمہم اللہ سے روایت کرتے

ہیں، آپ سے ابراہیم الحربی، عثمان الدارمی، ثعلب اور ابوشعیب الحرانی رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں (الکامل ج۶ص۸۹، سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص۴۸۸)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۱ھ**: میں حضرت ابوجعفر محمد بن المنہال رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ جعفر بن سلیمان، محمد بن عبدالرحمٰن مخشی بن معاویۃ الباعلی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابومحمد الدارمی، ابوبکر الاثرم اور حرب الکرمانی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، بصرہ میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ص۶۴۴)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۱ھ**: میں حضرت ابوالہیثم خالد بن مرداس السراج رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ اسماعیل بن عیاش اور عبداللہ بن مبارک رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بغوی رحمہ اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (المنتظم حتی ۲۵۷ج۱۱ص۱۷۰)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۳ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن سماعۃ بن عبیداللہ بن ھلال بن وکیع بن بشر التمیمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو مدینہ کا قاضی بنایا تھا، اور مامون کے دور تک آپ قاضی رہے، لیث بن سعد، قاضی ابویوسف اور محمد بن الحسن رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھ سے چالیس سال تک ایک دن کے علاوہ کبھی تکبیرِ اولیٰ نہیں چھوٹی، آپ روزانہ ۲۰۰ رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، ۱۰۳ سال کی عمر میں وفات ہوئی (المنتظم حتی ۲۵۷ج۱۱ص۱۹۸)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۴ھ**: میں امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۶۰ھ میں ہوئی، ۷۴ کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی، آپ نے حدیث کی روایت سفیان بن عیینۃ، ہشیم، ابنِ علیۃ، جریر بن عبدالحمید اور یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ سے کی، آپ کے بیٹے احمد بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ نے ''التاریخ'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، آپ سے امام بخاری، امام مسلم اور ابنِ ابی الدنیا رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۴۱۶، الکامل ج۶ص۱۰۲، طبقات الحفاظ ج۱ص۱۹۴، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ ص۴۹۱، المنتظم ۲۵۷ج۱۱ص۲۱۲، شذرات الذھب ج۱ص۸۰، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۵۴)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۴ھ**: میں حضرت ابوعبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نمیر الھمدانی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تقویمِ تاریخی ص۵۹) آپ کے اساتذہ یہ ہیں: والد عبداللہ بن نمیر، سفیان بن عیینۃ رحمہما اللہ، آپ کی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بہت عزت کرتے تھے (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۴۱۸، طبقات الحفاظ ج۱ص۱۹۵، سیر اعلام

Idara Ghufran

النبلاء ج ۱۱ص ۴۵۷، شذرات الذھب ج اص ۸۱)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۸ھ:** میں مشہور مؤرخ اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کا آبائی تعلق وسطی ایشیا کے شہر نیشاپور سے تھا، آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، عبدالعزیز الدراوردی رحمہ اللہ اوران کے طبقہ سے حدیث کی سماعت کی، ۷۷سال کی عمر میں نصف شعبان کی رات نیشاپور میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج اص ۴۲۶، المنتظم ۲۵۷ ج ۱۱ص ۲۶۰، طبقات الحفاظ ج اص ۱۹۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ص ۳۷۷، شذرات الذھب ج اص ۸۹)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۸ھ:** میں حضرت محمد بن ابی السری العسقلانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اوران کے طبقہ سے کی (العبر فی خبر من غبر ج اص ۴۲۹، شذرات الذھب ج اص ۹۱)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۹ھ:** میں حضرت ابوالفضل داؤد بن رشید الخوارزمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ اوران کے طبقہ سے کی، حدیث کے معاملہ میں ثقہ شمار ہوتے ہیں، بغداد میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج اص ۴۳۰، شذرات الذھب ج اص ۹۱)

☐......**ماہِ شعبان ۲۳۹ھ:** میں حضرت ابوالفضل داؤد بن رشید الخوارزمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابو الملیح، اسماعیل بن جعفر، ھشیم بن بشیر، اسماعیل بن عیاش، یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدۃ اور ولید بن مسلم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِفہرست ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، بقی بن مخلد، ابوزرعۃ، ابوحاتم، ابراہیم الحربی، موسیٰ بن ھارون اور ابویعلیٰ الموصلی رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں سرِفہرست ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ص ۱۳۴)

☐......**ماہِ شعبان ۲۴۰ھ:** میں حضرت شیخ الاسلام قتیبۃ بن سعید بن جمیل بن طریف الثقفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ۱۷۲ھ میں طلبِ علم کے لئے نکلے، امام مالک، لیث، شریک، حماد بن زید، ابوعوانۃ، ابنِ لہیعۃ، بکر بن مضر اور کثیر بن سلیم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، حمیدی، نعیم بن حماد، یحیٰی بن عبدالحمید الحرانی، احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، علی بن المدینی، محمد بن عبداللہ بن نمیر، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ۱۴۸ھ میں ولادت ہوئی، ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ص ۱۹)

☐......**ماہِ شعبان ۲۴۲ھ:** میں شام، فارس اور خراسان کے اکثر شہروں میں شدید زلزلہ آیا، جس میں بہت سے گھر تباہ ہو گئے تھے، تقریباً ۴۵ ہزار افراد ھلاک ہوئے (الکامل ج ۶ص ۱۲۶)

☐......**ماہِ شعبان ۲۴۲ھ:** میں حضرت ابویحیٰی زکریا بن یحیٰی بن صالح بن یعقوب القضاعی الحرسی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ مفضل بن فضالہ، رشدین بن سعد اور عبداللہ بن وھب رحمہم اللہ سے روایت

کرتے ہیں (المنتظم حتی ۲۵۷ ج ۱۱ ص ۳۰۰)

□ ...... **ماہِ شعبان ۲۴۳ھ**: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن العباس بن محمد بن صول رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ علی بن موسیٰ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور قرآن مجید کے بڑے عالم اور زبان کے بہت نرم تھے، عراق کے شہر سامراء میں وفات ہوئی (المنتظم حتی ۲۵۷ ج ۱۱ ص ۳۰۷)

□ ...... **ماہِ شعبان ۲۴۵ھ**: میں حضرت اسحاق بن اسرائیل المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی، آپ نے حدیث کی سماعت حماد بن زید اور سفیان بن عیینۃ رحمہما اللہ سے کی، امام بخاری رحمہ اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، بغداد کے شہر سامراء میں وفات ہوئی (المنتظم حتی ۲۵۷ھ ج ۱۱ ص ۳۳۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۳)

□ ...... **ماہِ شعبان ۲۴۵ھ**: میں حضرت ابراہیم بن کامجر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، شریک، حماد بن زید، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، عبدالواحد بن زید، جعفر بن سلیمان اور عبدالقدوس بن حبیب رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، ۱۴۵ھ میں ولادت ہوئی، ابوداؤد، نسائی، بخاری، ابوبکر المروزی اور موسیٰ بن ھارون رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، عراق کے شہر سامراء میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۷۸)

□ ...... **ماہِ شعبان ۲۴۶ھ**: میں حضرت ابوشریک یحیٰ بن یزید المرادی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، امام مالک بن انس، حماد بن زید، ضمام بن اسماعیل، مفضل بن فضالۃ اور ابوحاتم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۵۹)

□ ...... **ماہِ شعبان ۲۴۶ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم بن کثیر بن افلح العبدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ "الدورقی" کے نام سے مشہور تھے، آپ کے اساتذہ میں احمد بن اسماعیل بن علیۃ، یزید بن زریع، ھشیم اور ابنِ مہدی رحمہم اللہ سرِ فہرست ہیں، آپ سے الحجاج اور ابنِ ابی الدنیا رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں (المنتظم حتی ۲۵۷ھ ج ۱۱ ص ۳۴۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۳۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۴)

□ ...... **ماہِ شعبان ۲۴۸ھ**: میں بغداد کے قاضی ابوہشام محمد یزید بن محمد بن کثیر بن رفاعۃ العجلی الرفاعی الکوفی المقری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ابوالاحوص، مطلب بن زیاد، ابوبکر بن عیاش اور حفص بن غیاث رحمہم اللہ اور ان کے طبقے سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم، ترمذی، ابنِ ماجہ، احمد بن زہیر، ابن خزیمۃ، ابنِ صاعد اور محمد بن ھارون الحضرمی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۵۵)

Iqra Ghufran

مقالات ومضامین ترتیب: مفتی محمد رضوان

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط ۵)

حضرت نواب محمود علی خان صاحب مرحوم

جناب حضرت نواب محمد عشرت علی خان صاحب دامت برکاتہم کے پرنانا ’’جناب نواب محمود علی خان صاحب مرحوم‘‘ کا اکابرین اور خاص طور پر سیدُ الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے خصوصی اور گہرا تعلق وربط تھا، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے جناب نواب محمود علی خان صاحب مرحوم کو ایک تفصیلی خط تحریر فرمایا تھا، جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ’’تربیت السالک‘‘ میں خاص اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور اس خط کی اشاعت کو ہر طبقہ کے لئے مفید قرار دیا ہے بلکہ اس خط کے ہر ہر حصہ کو عجیب وغریب علوم کا خزانہ فرمایا ہے، اور اس پر ’’رسالہ الصحیفۃ الفاضلۃ فی اصلاح العاجلۃ والاٰجلۃ‘‘ کا عنوان قائم فرمایا ہے، عنوان کا مطلب ہے ’’عالیشان صحیفہ جو دنیا وآخرت کی اصلاح کے لئے مفید ہے‘‘۔ اس لیے یہ بات غیر مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نواب محمود علی خان مرحوم کا تذکرہ آئے اور اس خط کو نقل نہ کیا جائے، لہٰذا ذیل میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اس خط پر تمہید کے ساتھ وہ پورا خط نقل کیا جاتا ہے۔

رسالہ الصحیفۃ الفاضلۃ فی اصلاح العاجلۃ والاٰجلۃ

بعد حمد وصلوٰۃ احقر اشرف علی عرض کرتا ہے کہ یہ ایک خط ہے جو حضرت مرشدی قدس سرہٗ نے جناب نواب محمود علی خان صاحب مرحوم کو اس وقت تحریر فرمایا تھا جب ان کا ارادہ مکہ معظّمہ ہجرت کرنے کا تھا اور اپنی ریاست کا انتظام کرنے کے لئے ہندوستان تشریف لائے تھے چونکہ یہ والا نامہ دین ودنیا دونوں کے مہمات مصالح کا جامع ہے اس کی اشاعت کو ہر طبقہ کے لئے مفید سمجھا گیا، ناظرین اس کے ہر ہر جز و کو علومِ عجیبہ کا خزانہ پائیں گے۔ وھو ھذا۔

نقل والا نامہ حضرت مرشدی حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از مکہ معظّمہ حارۃ الباب۔ مورخہ ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ

ازفقیر امداد اللہ عفی عنہ ۔بخدمت سراپا جود وسخا حامی شریعت وطریقت جناب نواب محمود علی خان صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیاتہٖ ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔جب سے آپ تشریف لے گئے ہیں دل کو بہت تعلق ہے۔امید کہ بفضلہٖ تعالیٰ آپ مع الخیر والعافیۃ اپنے وطن پہنچ کر اپنے فرزندان وعزیز اقارب کے دیدار سے مسرور وشاداں ہوئے ہوں گے۔آپ بہت جلد اپنے مزاجِ مبارک کی خیریت وحالات سفر ودیگر حالات سے سرفراز فرماویں۔چونکہ فقیر کو آپ سے محبت لِلّٰہ ہے اور (الدین النصیحۃ) بڑی خیرخواہی دین کی ہے اس لئے خیر خواہانہ تحریر ہے ۔آپ اپنی ریاست کا انتظام اور حقداران کی ادائے حقوق کا بندوبست اس طرح سے کر کے یہاں تشریف لاویں کہ آپ کو کچھ بھی تشویش نہ رہے کیونکہ جب تک قلب تعلقات وتشویشاتِ دنیاوی میں مشغول رہے گا عبادت وطاعت کی لذت وحلاوت ہرگز نہ مِلے گی بلکہ جب تک دل ماسوی اللہ سے پاک وصاف نہ ہوگا تب تک نہ سچی توحید حاصل ہوگی اور نہ جمالِ مبارک حق کا آئینۂ دل میں مشاہدہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ایک ہی قلب مخصوص اپنے واسطے عطا کیا کوئی دوسرا دل نہیں کہ اس میں دوسرے تعلقات مشاغل کو جگہ ہو۔حرمین شریفین میں رہ کر دل کو امور ومشاغلِ ہند میں مشغول رکھنا اس سے بہتر یہ ہے کہ ہند میں رہ کر دل کو حرمین شریفین کی طرف متوجہ رکھنا۔کیونکہ حقیقت ہی قلب سے ہے اگر قلب ہند میں رہا اور صرف ظاہری جسم حرمین شریفین میں رہا تو یہ ہجرت حقیقی نہ ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر عملِ قلب ہے (ان اللہ ینظر الی قلوبکم ولاینظر الیٰ صورکم) اصل ہجرت تو یہ ہے کہ اللہ (تعالیٰ) کے واسطے اللہ کے سوا سب کو چھوڑ کر صرف اللہ کا ہو رہے ۔اگر یہ نہ ہوسکے تو اس قدر تو ضروری ہے کہ آپ کو اور اپنی اولاد واموال وریاست سب کاموں کو اللہ تعالیٰ کی وکالت میں سپرد کر کے خود تدبیر وبندوبست سے فارغ ہوجائے ۔جب اللہ قادر رحیم وکریم علیم کو اپنا وکیل وکارساز بنادیا تو بندۂ عاجز ناکس کا محتاج نہ رہے گا۔جب تک اللہ اور رسول کی محبت سب چیزوں پر غالب نہ ہوگی اور امورِ دین اور امورِ دنیوی پر یعنی باقی فانی پر غالب نہ ہوجاویں گے تب تک بندہ کا ایمان پورا نہ ہوسکے گا۔مسلمان کو کامل مسلمان ہونے کی کوشش وفکر تو سب پر مقدم وفرض ہے۔بس

اپنے متعلق کوئی جھگڑا و تعلق دنیاوی نہ رکھیں جب سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے سپرد کر دیئے اور دنیا پر عقبیٰ کو مقدم کر دیا تو سب کام درست وٹھیک ہو گئے ۔دنیا فانی بگڑے تو کیا۔بنے تو کیا (جب اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تو ہرگز نہ بگڑے گی) جب عقبیٰ و دین کی درستی ہوگئی تو ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے نزدیک بے حقیقت ہے۔حضرت مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

عشق برمردہ نباشد پائیدار　　　　عشق را برحیّ برقیّوم دار

اللہ تعالیٰ کے سوا سب فانی ہے اور عشقِ باقی باقی ہے، یا اللہ فانی کی محبت یعنی اولاد و اموال کی محبت اللہ حیّ وقیّوم کی محبت سے ہم سب کو نہ روکے۔بس مکہ ومدینہ میں رہنے کا لُطف جب ہی ہے کہ دل سب سے فارغ وخالی ہو۔بہت علوم پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔جب تک عمل نہ ہو،نقل ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہٗ سے کہا تھا کہ درویش کے واسطے علوم کا سیکھنا ضروری ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ایک حدیث سُنی ہے کہ (**حب الدنیا رأس کل الخطیئات**) جب اس حدیث پر عمل کرلوں تو اور علوم سیکھوں۔ہدایت کے واسطے ایک آیت ایک حدیث کافی ہے۔اللہ تعالیٰ شانہٗ ہم کو اور آپ کو توفیق عمل عطا فرمادیں۔اور اپنی رضامندی پر چلاویں اور ماریں۔حقیقت میں حضرت اس حدیث پر عمل ہو جاوے تو انسان مقبولِ خدا ہو جاوے۔صفاتِ ذمائم جو مہلکات ہیں مثل طمع وحرص وحسد وکینہ وعداوت وغضب وکبر وبُخل وغیرہ سب حُبِ دنیا سے پیدا ہوتے ہیں۔ایسا ہی صفات حمیدہ مثل صبر وتوکل ورضا وقناعت وتواضع وسخاوت وحلم وغیرہ سب ترکِ حُبِ دنیا سے حاصل ہوتے ہیں۔اولاد کے برابر عزیز اور والدین کے برابر شفیق ومہربان کوئی نہیں مگر اس حُبِ دنیا کی وجہ سے ان میں آپس میں مخالفت وعداوت ہو جاتی ہے اور جب حُبِ دنیا نہ رہے۔سارے جہان کے غیر عزیز دوست ہو جاتے ہیں (**اللھم اجعلنا منھم**) ایک بات ضروری یہ بھی ہے کہ داد ودہش کا جھگڑا بھی اپنے ساتھ نہ ہو تو بہتر ہے بلکہ کل صدقات وخیرات بھی متعلق ریاست کر دیا جاوے۔بندہ کو اپنے آپ کو اپنے جسم وروح اللہ تعالیٰ کو دینا یہی حقیقی سعادت وجوادی ہے۔جب اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ کو دیدیا تو اب کوئی جود وسخا باقی نہ رہی اب اس کو لاکھ وکروڑ روزانہ خیرات کرنے کی حاجت باقی نہ رہی اہل اللہ کے برابر کوئی

جوادوسخی نہیں ہوسکتا۔فقیر کی تو یہ بھی صلاح نہ ہوتی کہ آپ اپنے مصارف کے واسطے کچھ ریاست سے مقرر کرلیں۔لیکن چونکہ ساری عمر اسباب پر رہی ہے اس لیے اس بارہ میں فقیر کچھ نہیں کہتا ہے۔آپ اپنے نفس سے زیادہ واقف ہیں کیونکہ درویشی میں یہ بڑا شرک (اصطلاحی) ہے کہ رہیں تو باب اللہ بابِ رسول پر اور روزی مانگیں ہندوستان سے کسی امیر کے دروازے پر کسی دوسرے سے مانگ کر کھانا امیر کی غیرت وغُصّہ کا سبب ہے یہ کوئی بڑے درجات ومراتب کی بات نہیں کمالِ ایمان اور ادب کی بات ہے بس اپنے ضروری خرچ کے سوا زیادہ مقرر نہ کریں کہ لوگ آپ کے تضیع اوقات اور تشویش کے باعث نہ ہوں۔

بڑی خرابی امراء ورئیسوں کو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انہوں نے مشورہ لینے کی سنت کو اپنی کم فہمی سے ترک کر دیا ہے۔مسلمان لوگوں کی تعلیم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو (**شاورھم فی الامر**) بتاکید فرمایا ہے۔نصرانیوں نے اس آیت پر اس درجہ عمل کیا کہ ہزاروں قسم کی مجلسیں مقرر کیں ہر اخبار اور ہر رعیت کو رائے دینے کا مجاز کیا۔اس کا نتیجہ جو کچھ ہے آپ کو بھی معلوم ہے۔مسلمانوں کو یہ خبط ہے کہ جب ہم دوسرے سے رائے لیں گے تو ہم کو لوگ کم عقل سمجھیں گے یا ہماری حکومت میں شریک ہو جاویں گے۔یا تکبر سے کسی کو مشورہ کے قابل نہیں سمجھتے۔غرضیکہ اس قسم کے بیسیوں خبط ہیں۔بس اپنے خیرخواہوں سے مشورہ کرکے سب کاموں کا انتظام وانصرام بخوبی کرکے تشریف لاویں اگر پانچ چار مہینہ توقف بھی کرنا پڑ جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔کیونکہ ادھورا کام چھوڑ کر آنے میں پھر وہی تشویش وتردد رہے گا۔زمانہ میں عقل کے ساتھ دیانت دار کمیاب ہیں۔اگر ایسے لوگ مل جاویں تو حق تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیے اور ایسے آدمی کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ (**لایشکر اللہ من لایشکر الناس**) خود اللہ تعالیٰ شاکر ومشکور ہے۔ہر شخص کی استعداد کے مطابق برتاؤ فرماتا ہے نیکوں کو ہر نیکی کے بدلے دس سے کم نہیں اور زیادہ کا انتہا نہیں،عنایت کرتا ہے اور برائی کا برابر صرف ایک برائی۔خود فرماتا ہے **افمن کان مؤمناً کمن کان فاسقاً**۔اس مسئلہ پر بھی فرنگیوں نے ایسا عمل کیا ہے جیسا چاہیے۔ان کا ملازم یا ان کی رعیت کچھ اچھا کام کرتا ہے تو اس کا کیا کچھ شکر کرتے ہیں۔اگر ملازم ہو تو اس کی کارگذاری کی کتاب میں توصیف اور تعریف لکھتے

ہیں اور اس کی خدمت کے لائق برابر ترقی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض وقت دس روپے والے کی ترقی ہزار دو ہزار تک ہوجاتی ہے۔ ویسے بھی بذریعہ خطاب وغیرہ ملازم ورعایا کی عزت کرکے اس کی دیانت وہمت بڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دیانتدار وغیر دیانتدار کے ساتھ یکساں سلوک ہوگا تو دیانتدار کی ہمت اس کی خیرخواہی کی طرف سُست ہوجاوے گی، پھر سب کام خراب ہوجاویں گے۔ مسلمان رئیسوں کی زیادہ خرابی اس سے ہوئی کہ انہوں نے اہل ونا اہل کی تمیز نہ کی۔ بہت رئیسوں نے جان بھی لیا کہ فلاں عاقل ودیانتدار ہے مگر تکبر یا بدعقلی کی وجہ سے اس کی قدر نہیں کرتے۔ بعضوں کو یہ خبط ہے کہ اگر ہم اس کی تعریف وترقی کریں گے تو یہ خراب ہوجاویں گے (نعوذ باللہ منہا) اپنی عقل کو اسرارِ شریعت سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگے۔ فقیر نے بارہا دیکھا ہے کہ دیانتدار کو خائن خود رئیس کردیتے ہیں کیونکہ ملازم نے اپنے اوقات کو اپنے آقا کے ہاتھ اپنی رفعِ حوائج کے بدلہ بیچ ڈالا۔ جب آقا کو اپنے ملازم کی ضروریات وحوائج کا خیال نہ ہوگا مثلاً اس کی حیثیت کے موافق اس کی رفعِ حاجات پچاس روپیہ میں ہوں اور وہ پچیس روپیہ دے تو ملازم اور حاجتوں کو کہاں سے پوری کرے۔ آخر وہ خیانت کی طرف مجبور ہوگا۔ بس اس میں اللہ ورسول کے قانون کے مطابق کارروائی ہونے سے سب اُمور ٹھیک ہوتے ہیں۔ فقط (النور ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ) (تمّت الصحیفۃ الفاضلہ)

(تربیت السالک جلد سوم، صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۳۔ باب چہارم: اعمال کے بیان میں) (جاری ہے......)

اشاعتِ خاص ماہنامہ ''القاسم''

تذکرہ وسوانح ''حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ'' (صفحات 512)

مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی

فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی پرعزم زندگی، لازوال جدوجہد، قومی وملی خدمات، قابلِ فخر کارنامے، لائقِ تحسین کردار، انفرادی واجتماعی ان گنت کارہائے نمایاں، سیرت واعمال کے ہمہ جہتی پہلو پر مشتمل

ایک پورے عہد کی ترجمان دستاویز

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان ☎ 0923-630237

اصلاحی مجلس مفتی محمد رضوان

بھیڑ چال اور بدنظمی سے پرہیز کیجئے (قسط۳)

مدیر ادارہ مفتی محمد رضوان صاحب بزرگوں کی ہدایت کے مطابق بروز اتوار بعد عصر ادارہ غفران میں اصلاحی بیان فرماتے ہیں ،مؤرخہ ۱۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۱؍جون ۲۰۰۶ء کی مجلس کا خطاب مولانا محمد ناصر صاحب نے ریکارڈ کر کے اس کو کمپیوٹر سے تحریر کیا، اب مدیر کی نظرِ ثانی واصلاح کے بعد افادۂ عام کی خاطر اسے شائع کیا جار ہا ہے۔ (ادارہ)

کافروں کے خلاف تدابیر اختیار کرنے میں بدنظمی

جس طرح ہمارے یہاں اندرونی معاملات میں بدنظمی ہوتی ہے اور سلیقہ سے کام نہیں لیا جاتا، اسی طرح بیرونی معاملات میں بھی بدنظمی بے قاعدگی ہوتی ہے، چنانچہ دیکھئے! پچھلے دنوں غیر ملکی اخبارات میں توہینِ رسالت کے عنوان سے جو واقعہ پیش آیا، اس کے ردِعمل میں کتنی بدنظمی ہوئی جس کے دل میں جو کچھ آیا، وہ اس نے کیا، خواہ وہ فائدہ مند تھا یا نقصان دہ، اور خواہ جائز تھا یا ناجائز، اس سے کوئی بحث نہیں، کتنے مدارس میں اس کی وجہ سے دینی تعلیم میں خلل آیا، طلبہ کا حرج ہوا، اور سرکاری وغیر سرکاری کتنا جانی و مالی نقصان ہوا اور کتنے وہ اہم موضوعات جو مصنفین اور مؤلفین لکھ سکتے تھے، اُن کو چھوڑ کر سب کے سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور کیسے کیسے دلائل اس موضوع پر قائم کیے گئے کہ بس اب تو کرنے کا کام صرف یہی ہے کہ توہینِ رسالت کا ارتکاب کرنے والے کافروں کو سبق سکھایا جائے، اُن کو لگام دی جائے، اگر دلائل پر غور کریں تو ایسے میٹھے دلائل ہوتے ہیں کہ ایک عامی اور خالیُ الذہن شخص اسی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور سب کام چھوڑ چھاڑ کر بس اسی کام کی دھن میں اپنی سوچ کے مطابق لگ جاتا ہے، میں ابھی ایک دینی رسالہ میں پڑھ رہا تھا، اس میں اتنے میٹھے میٹھے دلائل دیے گئے تھے کہ پڑھ کر محسوس ہوتا تھا کہ اس وقت اس سے اہم کام بس کوئی اور ہے ہی نہیں کہ احتجاج کیے جائیں، مظاہرے کیے جائیں، کافروں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، اوران چیزوں کو مسلمانوں میں اُجاگر کیا جائے ، بیدار کیا جائے اس جذبے کو اُبھارا جائے، اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، حکومت کو متوجہ کیا جائے، فلاں کیا جائے فلاں کیا جائے

،وغیرہ وغیرہ مصنفین بھی یہی کام کریں ، واعظین بھی یہی کام کریں،اخبار والے بھی کریں،بس سارے یہی کام کریں۔

متمدن قوموں نے جو مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا ہے،اس طرح کی باتیں اور حرکتیں کر کے نہیں کیا کہ مسلمانوں کے خلاف باتیں کریں بلکہ خاموشی کے ساتھ مثبت انداز میں اندر اندر انہوں نے اپنی جماعت سازی اور اپنے آپ کو منظّم کرنے کا کام کیا ہے اور اپنی منظّم سازش اور پالیسی کے تحت مسلمانوں کو اپنا ماتحت اور غلام بنالیا ہے لیکن مسلمان چاہتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں خود تو کوئی تعمیری اور تنظیمی کام کرنا نہ پڑے اور جب کافروں کی طرف سے کوئی مسلمانوں کے خلاف اقدام کیا جائے ،تو ہم صرف باتیں بنا بنا کر ان پر غالب آجائیں گے،اور وہ ہماری باتوں سے ڈر کر ہمارے دین اور نبی کا احترام کرنے لگیں گے۔

دراصل ہم بلی سے دودھ کی رکھوالی اور گوشت کی حفاظت کرانا چاہتے ہیں،کافر کوئی انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کیا کرتے ہیں؟ کافروں کا عقیدہ ہے انبیائے کرام کی تعظیم کا؟ وہ بھی ایسے کافر جو تمہارے ماتحت نہیں ہیں تمہارے ملک کے باشندے نہیں ہیں،احتجاج اور مظاہروں میں بھی قدم قدم پر شرعی اصولوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے،اور صرف سطحی اور وقتی جذباتیت کا مظاہرہ کر کے اپنی جگ ہنسائی کی بنیاد ڈالی جاتی ہے، پہلے بائیکاٹ کے نام پر اپنی ذاتی ملکیت والی چیزوں کو جلا کر اور توڑ کر ضائع کرتے ہیں،اور جذبات ختم ہونے کے بعد پھر انہیں چیزوں کو دوبارہ خرید کر استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں،اور اگر دوسری طرف دیکھا جائے جہاں حُکماء کی نظر پہنچتی ہے، بزرگوں کی نظر پہنچتی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان چیزوں کی اہمیت سے انکار نہیں ہے، کہ یہ چیزیں اہم ہیں،ہم انکار نہیں کرتے ،ان کی حفاظت ہونی چاہئے ،لیکن کیا اور کام کرنے کے نہیں رہے جو سب کو ایک ہی کام میں لگانا چاہتے ہو،اور کیا تم انبیاء علیہم السلام کے حقوق پورے کر چکے ہو؟ یا اسلامی شعائر کی تعظیم واحترام کے یہ سارے مقدّس کام کافروں سے کروانا چاہتے ہو،مسلمانوں کے ذمہ کوئی کام نہیں رہا،مسلمان فارغ ہوگئے یا ان کے کرنے کے لئے بھی کوئی کام ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا کام یہ نہیں ہوتا کہ کافروں کو بُرا بھلا کہہ کر بس وقت گزاریں ان کا کام تعمیری انداز کا ہوتا ہے وہ اپنی جماعت سازی کرتے ہیں،دوسروں کو بُرا بھلا کہنے سے کیا کام چلتا ہے؟ کیا بُرا بھلا کہنے سے کافروں سے توقع رکھی جاسکتی ہے؟ اس طعن و تشنیع کے انداز سے تو اور ضد بازی بڑھتی ہے، عداوت اور کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے، ہمارے یہاں آج کل ایسی تحریکیں ترقی پکڑتی ہیں جن میں

دوسروں کے خلاف اقدام کیا جاتا ہو، دوسروں کو برا بھلا کہا جاتا ہو۔ اور جس تحریک میں اپنا احتساب کیا جاتا ہو اور اپنی کمزوریوں اور خرابیوں کا جائزہ لیا جاتا ہو، ایسی تحریک میں مسلمان شامل نہیں ہوتے، اور توہینِ رسالت کے مرتکبین کے خلاف صرف مذمتی بینرز اپنی دوکانوں کے سامنے آویزاں کردیتے ہیں اور اندر بیٹھ کر ٹی وی وغیرہ میں کافروں ہی کے پروگرام دیکھ رہے ہوتے ہیں، اور ٹھٹھے اڑا رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے یہاں گذشتہ رمضان المبارک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں فلم چلائی گئی، پہلے انگریزی میں چلائی گئی، اُدھر زلزلے آرہے ہیں اُدھر یہ منحوس فلم چلائی گئی، کیا یہ صحابہ کی توہین نہیں ہے کہ کافروں نے فاسقانہ وضع قطع میں مقدس صحابہ کرام کی نقل اتاری ہے، اس گستاخانہ اور توہین آمیز فلم کو رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں کیوں شوق سے دیکھا گیا، کیوں اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی گئی۔ مسلمان اپنے اندر کی خامیوں کی طرف تو کبھی متوجہ نہیں ہوتے، نہ کبھی اپنی طرف سے سرزد ہونے والی اجتماعی توہین وگستاخی پر احتجاج اور مظاہرے کرتے ہیں، مگر دوسروں سے شکایت لے کر بیٹھ جاتے ہیں مثلاً قرآن مجید کا احترام ہمارے یہاں کس طرح ہوتا ہے؟ اونچی جگہ رکھ دیا جاتا ہے، سال بھر کھول کر نہیں دیکھتے، اس پر عمل نہیں کرتے البتہ رخصتی کے وقت دلہن جاتی ہے تو اس کے سر پر قرآن مجید کا سایہ کرلیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کی تصویر بھی بنائی جاتی ہے، ناچ گانا، اور بینڈ باجا بھی ساتھ ہی بج رہا ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں گھر گھر میں ٹی وی چلتا ہے، گانے بجتے ہیں، دین اسلام کا مذاق بنایا جاتا ہے، اور قریب المارای میں قرآن مجید رکھا ہوا ہوتا ہے، اور آوازیں وہاں تک پہنچ رہی ہوتی ہیں، یہ تو ہمارے یہاں اپنی طرف سے قرآن مجید اور دین کے احترام کی حالت ہے، اور دوسرے اگر ذرا سا کچھ کردیں تو پھر وہ برداشت نہیں، ہمارے یہاں سنتوں کا کونسا احترام ہو رہا ہے، سنتیں تو درکنار پانچ وقت کی فرض نمازیں کتنے لوگ پڑھ رہے ہیں، اس قسم کی حرکتوں کے خلاف کیا احتجاج اور مظاہرے کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے؟

ابھی توہینِ رسالت کے خلاف غیر منظّم، بے سلیقہ بلکہ خلافِ شریعت طریقہ پر جدوجہد کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک نوجوان مسلمان نے جرمنی میں توہینِ رسالت پر مبنی خاکے شائع کرنے والے کسی صحافی پر حملہ کیا، جس کے نتیجہ میں اس کو گرفتار کرلیا گیا اور واللہ اعلم تشدد وغیرہ سے اُس کا انتقال ہوگیا، بس یہ واقعہ مسلمانوں کے ہاتھ آگیا اور نہ جانے اس پر کیا کیا تبصرے ہوئے اور کیا کیا اندازے اور تخمینے قائم کئے گئے، اپنے ملک میں توڑ پھوڑ کی گئی۔

گزشتہ دنوں کسی کام کے سلسلہ میں میرا راولپنڈی کی کچہری میں جانا ہوا، جہاں جا کر علماء وطلبہ کا ایک ہجوم دیکھا، جو دہشت گردی کی عدالت کے قریب جمع تھے، اور ایک پولیس کی موٹر سائیکل بھی گاڑی پر موجود کمرۂ عدالت کے سامنے موجود تھی، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ گزشتہ دنوں جرمنی میں ہونے والے اسی واقعہ پر اسلام آباد میں مظاہرہ کیا گیا تھا جس میں پولیس کی موٹر سائیکل وغیرہ کو بھی نذرِ آتش کیا گیا تھا، پولیس نے موقعہ پر موجود چند افراد کے خلاف توڑ پھوڑ اور آتش زنی کرنے کا مقدمہ درج کیا تھا، اس مقدمہ میں ان علماء وطلبہ کا بھی نام تھا، اس لئے یہ حضرات اپنے اسباق اور مساجد کی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر یہاں پر جمع ہیں۔

مقدمہ درج ہونے اور آج کل ہماری مروّجہ عدالت میں پہنچنے کے بعد غلط بیانی، جھوٹ، رشوت اور تضیعِ اوقات جیسے گناہوں میں مبتلا ہونا کوئی ڈھکی چُھپی چیز نہیں، پہلے تو سوگ منایا گیا اور توڑ پھوڑ کی گئی، لیکن بعد میں اسی واقعہ کو جشن کا عنوان دے دیا گیا۔ عجیب معاملہ ہے سمجھ نہیں آتا کہ سوگ ہے یا جشن ہے، چت بھی اپنی رکھتے ہیں پَٹ بھی اپنی رکھتے ہیں، مسلمان ہار کر بھی اپنی ہار نہیں مانتے، یہ پِٹ پِٹ کر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم دوسروں کو پیٹ رہے ہیں، مار کھا کر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم مار رہے ہیں، ہر صورت میں اپنی ہی جیت رکھتے ہیں، کبھی اپنی غلطی ماننے اور اپنا احتساب کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جرمنی میں فوت ہونے والے اُس مسلمان نوجوان کی تدفین کے بعد اجتماعی قرآن خوانی اور اجتماعی دعا اور بڑے بڑے جلسے جلوس کیے گئے، اشتہارات اور بینرز اسلامی مزاج کے خلاف باتیں لکھ کر چھاپے گئے، ہر ایک جماعت نے اس میں حصہ لیا اور اس کو بھی اپنی سیاست چمکانے اور اپنے نام کو اونچا کرنے کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کیا، ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر نہ جانے کیا کیا بدعات اور خرافات کیں۔ ایک دینی رسالے میں اس جوان شخص کی تدفین کے حوالہ سے اداریہ کے طور پر جو مضمون شائع ہوا، اس کا ایک اقتباس پڑھ کر آپ کو سناتا ہوں:

> ”بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کی سبیلیں لگائی گئیں، شہید کے جنازے میں عقیدت ووارفتگی کے لئے کیمروں کی آنکھ میں محفوظ کرنے کے لئے بہتر ملکوں کی میڈیا نے کوریج دی...... دس ہزار خواتین نے تابوت کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی، سارو کی کی سرزمین عاشقِ رسول کی میت پر نچھاور کیے گئے منوں پھولوں سے گل نار ہوگئی، آسمان نے یہ نظارہ یقیناً مدتوں کے بعد دیکھا ہوگا، گستاخِ رسول کو جہنم رسید کرتے ہوئے خود جنت میں پہنچ گیا...... اس نے دنیا کو

بتا دیا کہ مسلمان گناہ گار تو ہوسکتا ہے لیکن نبی کی عزت اور حرمت کے معاملے میں بے غیرت نہیں ہوسکتا، اس نے واضح کر دیا کہ مسلمان حضور ﷺ کی شان میں گستاخی، اہانت کے حوالے سے کسی قانون کے پابند نہیں، قاتلانہ حملے میں بچ جانے والا جرمن اخبار نویس اپنے بچ جانے پر کبھی مطمئن نہ ہوگا، اس کا بچ جانا قدرت کو منظور تھا، وہ اور دیگر گستاخانِ رسول بقیہ زندگی ایک ایسی دہشت اور وحشت کا شکار رہیں گے کہ ان کا مرنا روز کا مرنا ثابت ہوگا، آج سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین مُردوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، وہ یقیناً یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس سے تو مرجانا ہی بہتر تھا''

ملاحظہ فرمائیے! یہ ہے فخر کی شان مسلمانوں کے نزدیک، یہ چیزیں فخریہ انداز میں لکھ رہے ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی کافروں کی رپورٹ سے لے رہے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ کافر جن کاموں کے کرنے کا سعادت نام رکھ رہے ہیں، مسلمان اس کو سعادت سمجھ کر قبول کر رہے ہیں، یعنی اسلام کو بھی کافروں سے لے رہے ہیں۔ آج تو جس چیز پر عقیدت و شریعت کا لیبل لگ جائے وہ عبادت میں داخل ہے اہلِ بدعت بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کو حاضر ناظر عقیدت کی وجہ سے مانتے ہیں ہم عقیدت کی وجہ سے آپ ﷺ کو نور مانتے ہیں، عقیدت کا لیبل ہی تو لگاتے ہیں، آج تو اس قسم کا جو بھی کام ہو چاہے کوئی بدعت ہو، نمود و نمائش ہو، اسراف ہو، فضول خرچی ہو، غیروں کی نقالی ہو، ہر ایک کا نام عقیدت وافتخار ہے، بس ایک مرتبہ عقیدت، عظمت وغیرہ کا کوئی عنوان قائم کر دیا جائے، سب عقیدت وعظمت سمجھ کر اس کام کو اپنائے چلے جاتے ہیں، خواہ اس عنوان کے تحت کتنے ہی گناہ کر لیں، اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتے، یہ وہی بھیڑ چال ہے۔ تابوت کو بوسہ دینے کی بدعت کو فخر کے انداز میں لکھا گیا ہے، نامحرم خواتین کا اس طرح تابوت کو بوسہ دینا کہاں جائز ہے؟ اتنے بینر آویزاں کیے گئے، سبیلیں لگائی گئیں محرم کے مہینے کی سبیلوں پر فتوے لگا کر ابھی تک فارغ نہیں ہوئے کہ ایک اور طریقہ پر یہ بدعت انجام دی گئی۔ اس کا بھی ثبوت درکار ہے کہ ایسے موقعہ پر شرعاً اس قسم کا جشن ثابت ہے یا نہیں۔ رنگ برنگی جھنڈیوں سے راستے سجانا اور ان چیزوں میں اپنا مال اور وقت اور صلاحیتوں کو خرچ کرنا کہاں تک جائز ہے؟ خواتین کا اس طرح بے پردہ باہر آنا، جنازے میں شریک ہونا، اور میلہ کی شکل میں قبرستان میں جانا؟ یہ ساری چیزیں جائز ہوگئیں بلکہ باعثِ فخر ہوگئیں (نعوذ باللہ تعالیٰ) کسی چیز پر سعادت مندی کا اور دین کا لیبل لگنا چاہئے، بس پھر دیکھو کیا ہوتا ہے؟ پھول ڈالنا میت کے اوپر، قبر کے اوپر بدعت ہے، ایسے الفاظ لکھتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہئے کہ بدعات کو اتنے فخریہ انداز میں لکھا جا رہا ہے۔

آج بڑے بڑے گناہ کرنے کو بے غیرتی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ گناہ کرنا اللہ تعالیٰ سے غیرت نہ کرنے کی علامت ہے، آج کتنے مسلمان گناہوں سے بچے ہوئے ہیں، وہ کونسا گناہ ہے جو مسلمانوں میں نہیں ہے؟ ذرائع ابلاغ پر فحاشی اور بے حیائی و بے غیرتی کی بھرمار ہے، گلی کوچوں میں بے پردہ اور نیم عریاں خواتین پھر رہی ہیں، یہ سب بے غیرتی والی حرکتیں ہیں۔ اور پھر یہ لکھا جارہا ہے کہ مسلمان کسی قانون کا پابند نہیں، یہ بھی عجیب بات ہے، حالانکہ اسلام کا قانون تو ہر جگہ موجود ہے خواہ اسلامی ملک ہو یا غیر اسلامی ملک ہو، شریعت کے قانون کو تو مانو کہ شریعت کیا کہتی ہے، پھر کوئی اقدام کرو، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ پہلے جو جس کے دل میں آیا وہ کرلیا اور پھر اس کام میں تاویلیں کرکے اس کو شریعت سے ثابت کرنے کی کوشش شروع کردی۔ جو لوگ اسلام کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں ان کو تو کافر تحفظ فراہم کرتے ہیں اور عیش و آرام کی سہولیات دیتے ہیں، مگر ہم ان چیزوں کو بھی نہیں سمجھتے اور بدتر زندگی سے تعبیر کرتے ہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب مسلمانوں کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ یہ منکرات کیوں ہورہے ہیں؟ یہ خرافات کیوں کی جارہی ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ جناب یہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے، آج بھی یہی کہا جاتا ہے، اور ایک آدھ مصلحت کی خاطر کئی بڑے بڑے مفاسد کو برداشت کیا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۴۰ ''صحابیٔ رسول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ''﴾

جنگِ یمامہ میں آپ کا ایک کان بھی شہید ہوگیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں انہیں کوفہ کا والی بنایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہونے والی شورش کے اسباب کی تفتیش کے لئے بنائی جانے والی تحقیقاتی کمیٹی میں بھی آپ شامل تھے، جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں بھی شامل تھے، جنگِ صفین میں ایک روز جب آفتاب غروب ہورہا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے دودھ کے چند گھونٹ پیئے اور فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ دودھ کا یہ گھونٹ تمہارے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے، پھر آپ یہ کہتے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرنے لگے کہ آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج محمد ﷺ اور ان کے گروہ سے ملوں گا، انہی حملوں کے دوران ایک مخالف نے نیزہ کے وار سے ان کو ایسا زخمی کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ زمین پر آرہے اور دوسرے نے آگے بڑھ کر آپ کا سرتن سے جدا کردیا۔

حق کے آگے کوئی نہ ٹھہرے، عمر نہ روکے رستہ ۔۔۔ پریت پکارے وصل کے بدلے جان کا سودا سستا

آپ کی عمر مبارک شہادت کے وقت تقریباً ۹۱ برس کی تھی...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مقالات ومضامین

عبدالواحد قیصرانی

تقلید کا ثبوت

عہدِ صحابہ میں ثبوت

اس سلسلہ کی گذشتہ قسطوں میں قرآن وحدیث کی روشنی میں تقلید کا ثبوت ہمارے سامنے مختصراً آچکا ہے، اور یہ بات ناممکن ہے کہ ایک چیز کا ثبوت قرآن وحدیث سے تو ہو اور وہ چیز عملی طور پر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہ پائی جائے، یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن وحدیث کا عملی نمونہ اور اس کی جیتی جاگتی ایک روشن مثال تھے، چنانچہ دیگر شرعی امور کی طرح تقلید پر عمل کرنے کی بھی عہدِ صحابہ میں متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس لئے کہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا سارا وقت دینی علوم ہی کی تحصیل کے لئے صرف نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ اس کی وجہ سے تو ان کے سارے امور اور حوائج وضروریات تک کا سلسلہ ختم ہوکر معطل ہوجاتا، یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعلیم وتعلم کے شعبہ سے وابستہ تو تھے لیکن وہ بعض مخصوص مسائل میں محض اپنے ہی اجتہاد پر اکتفا کر کے عمل کرنا نہیں چاہتے تھے، تو ایسی صورت میں وہ فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرتے، بہرحال تقلید خواہ مطلق ہو یا شخصی دونوں کی بکثرت مثالیں عہدِ صحابہ میں پائی جاتی ہیں، بقول شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے:

> ''تقلیدِ مطلق کی تو اس کثرت سے مثالیں ملتی ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ان سے ایک کتاب تیار ہوسکتی ہے''

موضوع کی مناسبت سے چند ایک مثالیں بطورِ ثبوت کے ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ ۱ ﴾...... ''عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال خطب عمر بن الخطاب الناس بالجابية وقال یاایها الناس من اراد ان یسال عن القرآن فلیات ابی بن کعب ....الی ومن اراد ان یسال عن المال فلیاتنی فان اللہ جعلنی له والیا وقاسما' (رواہ الطبرانی فی الاوسط ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۵)

ترجمہ: ’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! جو شخص قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، جو میراث کے احکام کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو شخص فقہ کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور پھر (ازراہ تواضع فرمایا کہ) اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے پاس آجائے، اس لئے کہ اللہ نے مجھے اس کا والی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے‘‘

اس خطبے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عمومی انداز میں یہ ہدایت فرمائی کہ وہ تفسیر، فرائض اور فقہ کے معاملات میں ان ممتاز علمائے کرام سے رجوع کریں (یعنی محض اپنی فہم پر اکتفاء نہ کریں) اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ دلیل کا ادراک اور اس کی فہم ہر کس و ناکس کا کام نہیں، اس لئے وہ حضرات کہ جو خود میں اجتہاد واستنباط کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے وہ دلائل کا مطالبہ کئے بغیر ہی ان کے اقوال وارشادات پر عمل فرماتے تھے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

﴿۲﴾......مؤطا امام مالک میں ہے کہ:

’’حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ حج کے ارادے سے نکلے، یہاں تک کہ جب مکہ مکرمہ کے راستے میں نازیہ کے مقام تک پہنچے تو ان کی سواریاں گم ہوگئیں، اور وہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو (جبکہ حج ہو چکا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، اور ان سے اپنا (یہ) واقعہ ذکر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ان سے) فرمایا کہ تم لوگ وہ ارکان ادا کرو جو (ایک) عمرہ والا (شخص) ادا (کیا) کرتا ہے، یعنی (طواف اور سعی کرلو تو) اس طرح تمہارا احرام کھل جائے گا، پھر اگلے سال جب حج کا زمانہ آئے تو دوبارہ حج کرو، اور جو قربانی میسر ہو (اسے) ذبح کرو‘‘ (مؤطا امام مالک ص ۱۴۹، ھدی من فاتہ الحج)

اس واقعہ میں بھی نہ تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی دلیل پوچھی اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتلائی، بلکہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فقاہت پر اعتماد واکتفاء کرتے ہوئے عمل فرمایا، اسی عمل کو تقلید کہتے ہیں

(جاری ہے..........)

بسلسلہ: صحابہ کے سچے قصے

انیس احمد حنیف

صحابیٔ رسول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

غیر کے دھیان کو حق نہ جب تک آگ لگائے، حق نہیں   آنکھ نہ جب تک نیند سے شب بھر آنکھ چرائے، حق نہیں
دل والوں کی باتیں سُن کر دل زندہ ہو جاتے ہیں   جب تک ان سی سیرت وصورت نہ اپنائے، حق نہیں

لے لو لے لو محبت کا سودا...... دل کے بدلے دل دینے والے کا پیار لے لو...... دل میں دھڑکنیں بسانے والے کی محبت پا لو...... دل والوں نے یہ آواز سُنی تو اپنا اپنا نصیب آزمانے آئے...... ایک کے بعد ایک ...... ایک کے بعد ایک...... دوڑتے ہوئے آواز لگانے والے کے قدموں میں اکٹھے ہونے لگے...... صدا لگانے والا بھی تو کوئی تخصیص نہیں کر رہا تھا...... **یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا** ...... ایک عام اعلان تھا جس کے مخاطب تمام انسان تھے...... بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں، جس کے جذبوں میں بھی کچھ سچائی تھی وہ اس آواز پر لبیک کہتا اور پھر زندگی بھر کے لئے وفا کی زنجیر میں خود کو باندھ لیتا، ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک، کرتے کرتے تیس پینتیس افراد مرکز مہر ووفا صلی اللہ علیہ وسلم سے عہدِ محبت کر چکے تھے، انہی بابرکت دنوں کے لمحات تھے جب مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم کے دروازے پر دو جوان اچانک ایک دوسرے سے آملے ان میں سے ایک درمیانہ قد، سرخ چہرہ اور گھنے بالوں والا تقریباً ۲۱ سال کا نوجوان اور دوسرا نرگسی آنکھوں والا، چوڑے شانوں اور لمبے قد کا تقریباً چالیس بیالیس سال کا آدمی عین اس وقت اس دارِ ارقم میں، تمام مخلوقات میں افضل ترین اور کائنات میں اللہ کے بعد اعلیٰ ترین ہستی، پیکرِ رحمت، جانِ عالم، مرکزِ مہر و وفا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، باہر دروازے پر کھڑے دونوں افراد کا ایک دوسرے سے مکالمہ شروع ہوا، آپ کیسے آئے؟ پہلے آپ بتایئے آپ کس مقصد سے تشریف لائے؟ میں تو ان محترم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں، میں بھی اسی خیال سے یہاں آیا ہوں، غرض دونوں اندر داخل ہوئے اور پہلی ہی گفتگو میں دل دے بیٹھے۔

اُس کی نظر کے تیر نے دل کے کھوٹ کو پارا پارا کیا   اُس کے لبوں سی نکلی باتیں دل میں اترتی جاتی تھیں
اُس کے آگے یوں بے بس تھا جیسے اُس کا قیدی ہوں   میرے ماضی کی سب گھڑیاں مجھ سے مُکرتی جاتی تھیں
میں یوں بدلا جیسے میری جُون بدلتی جاتی تھی   جذبے سُدھرے جاتے میری سوچ بدلتی جاتی تھی

بس اُس لمحے میں نے خود کو اُس کے آگے بیچ دیا دل کیا، جاں کیا، جیون کا ہر لمحہ اُس کو سونپ دیا
سرخ چہرہ والے صاحب کا نام حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ تھا جنہیں حلقۂ محبتِ رسول ﷺ میں داخل ہونے والے سب سے پہلے رومی ہونے کا اعزاز حاصل ہے، جبکہ دوسرے صاحب کا نام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی قسمت بھی عجیب ہی جاگی تھی، ان کے والد یاسر بن عامر قحطانی النسل اور یمن کے رہنے والے تھے، یاسر بن عامر کا ایک بھائی کہیں لاپتہ ہو گیا تو یہ خود اور ان کے دو بھائی حارث بن عامر اور مالک بن عامر اس گمشدہ بھائی کو ڈھونڈنے یمن سے مکہ مکرمہ آئے، وہ تو نہ ملا اور باقی دونوں بھائی بھی واپس چلے گئے لیکن یاسر کو مکہ کی مٹی نے جانے نہ دیا انہوں نے یہاں بنو مخزوم کے ایک رئیس ابوحذیفہ بن مغیرہ سے تعلق قائم کر لیا اور مستقل یہیں رہنے لگے، ابوحذیفہ نے اپنی لونڈی سمیہ بنتِ خیاط کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، اللہ تعالیٰ نے یاسر کو تین بیٹے دیئے، حریثؓ، عمارؓ اور عبداللہؓ، حریث تو اسلام آنے سے قبل ہی قتل کر دیئے گئے جبکہ عمار، عبداللہ ان کے والد یاسر بن عامر اور والدہ سمیہ بنتِ خیاط کا نصیب اسلام سے روشن ہوا رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ پہلا خاندان ہے جو پورے کا پورا نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا۔ دنیا شاید ہمیشہ ہی سے محبت کرنے والوں کی دشمن رہی ہے، مکہ بھی ان دنوں ایسے ہی حالات میں تھا، جس کے بارے میں بھی پتہ چلتا کہ اس نے وفا کا وعدہ کیا ہے اور عشق کی راہوں پر چلنے کی قسم کھائی ہے، اسے محبت چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے مصائب سے دوچار کیا جاتا، لیکن سچائی اپنا آپ دِکھا کے رہتی ہے، محبت خود کو منوا کے دم لیتی ہے، اور حق تو پیچھے ہٹنے کے لئے آیا ہی نہیں، مکہ کی دوپہریں، گرم چلچلاتی دھوپ، تپتپاتی ریت، لوہے کی زرہ اور دہکتے انگارے، اگر کچھ کھوٹ ہوتا تو سامنے آ جاتا، لیکن جب دل حق کے ساتھ ہو اور حق دل کے ساتھ، تو بھلا کسی مخلوق میں انہیں جدا کرنے کی کب طاقت ہے، کرب و بلا کے موسم میں بھی ان کا دامنِ صبر ہاتھ سے نہ چھوٹا، والد، والدہ اور بھائی تینوں شہید کر دئے گئے لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حوصلے کم نہ ہوئے ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کیا اور یہ اسلام کی پہلی شہادت تھی جو ایک صحابیہ کے حصہ میں آئی، پردہ اختیار کرنے پر عزیز و اقربا کے شکوے یا اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں خاندان والوں کے طعنے، یہ سب چیزیں ان مظالم سے کہیں ہلکے درجے کی ہیں جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے گھرانے پر ڈھائے گئے لیکن اُن کی محبت یقیناً سچی تھی جو اُن کے قدم ڈگمگائے نہیں، اے اللہ سچوں کی سچی محبت کے صدقے میں ہمیں بھی

کھوٹ سے نجات دے دیجئے اور سچی محبت کرنے والوں کی اداؤں کا واسطہ ہمیں بھی اخلاص ومحبت کا کچھ حصہ عطا فرما دیجئے (آمین) ایک مرتبہ آپ روتے ہوئے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ نے یہ حال دیکھا تو پوچھا، کیا بات ہے، یا رسول اللہ ﷺ، نہایت ہی بُری خبر ہے، آج مجھے ظالموں نے پانی میں بے تحاشا ڈبکیاں دیں یہاں تک کہ میں بے حال ہو گیا اور اُس وقت تک خلاصی نہ ملی جب تک آپ کی شان میں نازیبا الفاظ اور ان کے جھوٹے معبودوں کے حق میں اچھے الفاظ نہیں استعمال کئے تم اپنا دل کیسا پاتے ہو (رسول اللہ ﷺ نے پوچھا) میرا دل ایمان سے مطمئن ہے، یہ جواب سُن کر اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا، کوئی بات نہیں۔

اس واقعے کے بعد ہی تو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (نحل. ۱۴)

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر اختیار کرے، مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہے)

آپ ﷺ اس گھرانے پر ہونے والے ظلم وستم کا خود مشاہدہ فرماتے اور انہیں صبر کی تلقین کرتے اور فرماتے اے آلِ یاسر تمہیں بشارت ہو، جنت تمہاری منتظر ہے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کی تو نبی کریم ﷺ حضرت حذیفہ بن الیمان انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا انصاری بھائی نامزد کیا۔ ہجرتِ مدینہ کے تقریباً چھ سات ماہ بعد مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی گئی اس کی تعمیر کی نگرانی کا کام بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد ہوا، قبولیت کے درجات اپنے اپنے ہیں، یہ وہی مسجدِ نبوی ہے جس میں آج زندگی میں ایک بار کی حاضری کو بھی مسلمان اپنے لئے سرمایۂ آخرت گردانتے ہیں، اسی مسجد کی پہلی مرتبہ تعمیر ہو رہی تھی اور نبی کریم ﷺ خود بہ نفسِ نفیس اس کام میں عملی طور پر شریک تھے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اینٹ گارا وغیرہ لا کر دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو نہایت شفقت سے ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا، افسوس عمار! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، تم اسے خدا کی طرف دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام غزوات میں بھی شامل رہے اور خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اکثر جنگوں میں نمایاں تھے

﴿بقیہ صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ مفتی منظور احمد صاحب (فیصل آباد)

آدابِ تجارت (قسط ۱۶)

(۳۲)......تین اعمال کا خصوصیت سے اہتمام تجارت میں برکت کا باعث ہے

تین اعمال ایسے ہیں جن کے اہتمام سے جہاں اور بہت سے دنیا وآخرت کے فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں اور بہت سے مضرتوں سے انسان محفوظ رہتا ہے، وہاں اسے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کاروبار، تجارت اور رزق میں بھی اللہ تعالیٰ برکت اور اضافہ فرما دیتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کی مختلف احادیث سے یہ بات صراحۃً ثابت ہے، وہ اعمال یہ ہیں:

(الف)......صلۂ رحمی: صلۂ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اعزہ واقرباء کے حقوق ادا کرنا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا، ان میں سب سے زیادہ اہمیت والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر بڑھے اور اس کے رزق میں اضافہ ہو اسے چاہئے کہ اپنے والدین سے حسنِ سلوک کرے اور رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کرے'' (الترغیب والترھیب، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۳۵۹۴، ج ۵ ص ۶، مکتبۃ السعارۃ مصر)

والدین کے ساتھ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ کے قریبی ودور ہونے کے اعتبار سے ترتیب وار صلۂ رحمی کا حکم ہے جو اس کے رزق میں برکت کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

> ''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق کشادہ کیا جائے اور اس کی یاد کو باقی رکھا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صلۂ رحمی کرے'' (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۳۶۲۹، ج ۵ ص ۱۸)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''تم اپنا نسب نامہ اتنا جان لو کہ تم صلۂ رحمی کرسکو، کیونکہ صلۂ رحمی گھر میں محبت، مال میں زیادتی اور یاد کے باقی رہنے کا سبب ہے'' (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۳۶۳۰)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''توراۃ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ جسے یہ پسند ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو تو وہ صلۂ رحمی کرے'' (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۳۶۳۲)

تاجر کے لئے صلۂ رحمی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ متعلقہ لوگوں سے حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے اور دوسری یہ ہے کہ حتی الامکان ان کی اپنے مال سے مدد اور تعاون کرے، یہ صلۂ رحمی ان شاء اللہ اس کی تجارت اور کاروبار میں اضافہ اور برکت کا باعث ہے۔

(ب)...... **ہدیہ کا اہتمام کرنا:** اپنے اعزہ و اقارب اور دوستوں کو ہدیہ دینے سے جہاں اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا مختلف احادیث میں تذکرہ ہے مثلاً اس سے کدورتوں کا ختم ہونا، آپس میں محبت کا بڑھنا، وہاں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے رزق اور تجارت و کاروبار میں اضافہ اور برکت پیدا ہوتی ہے خاص کر کھانے پینے کی چیزوں کے ہدیہ سے رزق میں اضافہ تو صراحۃً حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''کھانے کا ہدیہ آپس میں لیا دیا کرو اس لئے کہ یہ تمہارے رزق میں وسعت کا باعث ہے'' (الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث نمبر ۳۳۷۶، ج ا ص 518، دار الفکر بیروت)

اس وجہ سے تاجروں کو عام چیزوں کے ہدیہ کا بالعموم اور کھانے کے ہدیہ کا بالخصوص اہتمام کرنا چاہئے۔

(ج)...... **توکل:** توکل کہتے ہیں کسی کام کے اسباب اختیار کر کے ان کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے اور اور حرص کی وجہ سے نتیجے کی فکر میں رہنے سے بچنے کو، توکل بھی شریعت کا ایک اہم حکم ہے اور یہ بھی انسان کے دنیا و آخرت میں بہت سے فوائد کا سبب ہے، جس میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو غیب سے رزق ملتا ہے اور اس کے رزق اور کاروبار میں برکت و اضافہ پیدا ہوتا ہے، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے: ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ'' (سورۃ الطلاق آیت ۳)

''اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے''

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

''اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ کرنا چاہئے تو تم کو ایسے روزی دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں'' (مشکوۃ المصابیح، باب التوکل والصبر، ج ۲ ص ۴۵۲ مجلس اشاعۃ المعارف ملتان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور دوسرا کام کاج کرتا تھا، کام کرنے والے نے اپنے بھائی کی نبی کریم ﷺ سے شکایت کی (کہ یہ کام نہیں کرتا) تو آپ نے فرمایا کہ شاید تمہیں اسی کی وجہ سے روزی ملتی ہو'' (مشکوٰۃ المصابیح، باب التوکل والصبر، ج۲ص۴۵۳ مجلس اشاعۃ المعارف ملتان)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کرلیں تو ان کے لئے کافی ہو جائے (وہ آیت یہ ہے) وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ الخ اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ پیدا کردیتے ہیں اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا (اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے)'' (مشکوٰۃ المصابیح، باب التوکل والصبر، ج۲ص۴۵۳ مجلس اشاعۃ المعارف ملتان)

ان آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ توکل ایک ایسا عمل ہے جو انسان کے رزق کا باعث اور اس کی روزی میں اضافے اور برکت کا سبب بنتا ہے، اس لئے تاجروں اور کاروباری حضرات کا اس کو زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، اور جائز اسباب اور اپنی طرف سے بہتر اور مناسب طریقہ اختیار کرنے کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہئے اور اس کے نتیجے میں جو جائز نفع ہو اسی پر قناعت کرنی چاہئے، ان شاء اللہ اسی میں برکت ہوگی۔ جائز اسباب اختیار کرنے کے بعد ہر وقت نتیجے کی فکر میں رہنا یا مال کے حصول کے لئے جائز و ناجائز کی پرواہ کئے بغیر ہر طرح کے اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف اور مال میں بے برکتی کا ذریعہ ہے، چنانچہ ایک مشہور حدیث میں اسی سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (رزق کی) تلاش میں بہتر طریقہ اختیار کرو، کیونکہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق مکمل نہ کرلے، اگرچہ اس میں دیر لگ جائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (رزق کی) تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرو، جو حلال ہو اسے لے لو اور جو حرام ہو اسے چھوڑ دو'' (الترغیب والترھیب حدیث نمبر ۲۴۸۵، الترغیب فی الاقتصاد ج۴ص۱۰، مطبوعہ مصر)

(جاری ہے............)

Idara Ghufran

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت مفتی محمد رضوان

دعوت کے آداب (قسط۱)

✪......کبھی کبھار رسم ورواج اور نمود ونمائش کے بغیر اپنی حیثیت کے مطابق اخلاص ومحبت کے ساتھ رزقِ حلال سے دوسرے مسلمان کی دعوت کرنا بہت بڑے اجر وثواب کی بات ہے، اور کوئی عذر نہ ہو تو ایسی دعوت کا قبول کرنا بھی نیک عمل ہے۔

✪......دعوت کا مقصد دوسرے کی عزت واکرام اور دوسرے سے محبت اور اس کو راحت پہنچانا اور اس کا دل خوش کرنا ہونا چاہئے، رسم ورواج اور کوئی دنیوی غرض پیشِ نظر نہیں ہونی چاہئے۔

✪......دعوت کرنے کا ایک ادب یہ ہے کہ جن کی دعوت کرنی مقصود ہو ان کو پہلے سے متعین کرلے اور دعوت دے دے، تا کہ بعد میں اپنے آپ اور دوسرے کو کوئی تکلیف وپریشانی نہ ہو۔

✪......دعوت میں نیک اور متقی لوگوں کو خصوصی طور پر ترجیح دینی چاہئے۔

✪......دعوت میں صرف امیر اور مالدار لوگوں کو شریک کرنا اور غریب ومسکین حضرات کو شریک نہ کرنا حدیث میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اس لئے غریب حضرات کو بھی دعوت میں شریک کرنا چاہئے۔

✪......دعوت میں نہ زیادہ تکلف اور اسراف کرنا چاہئے اور نہ ہی بخل وکنجوسی سے کام لینا چاہئے، بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق اعتدال اور درمیانہ روی کو اختیار کرنا چاہئے۔

✪......جب دوسرے کو کوئی عذر ہو یا اس کا روزہ ہو تو اس کو کھانے پینے اور دعوت پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔

✪......دعوت پر مدعو حضرات کے ساتھ خوش اخلاقی وخوش کلامی سے پیش آنا چاہئے اور ان کے ساتھ جائز گفتگو میں شریک رہنا چاہئے۔

✪......اپنے کھانے کی خواہ مخواہ تعریف نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی دوسرے کی طرف سے کھانے کی تعریف کرنے کا منتظر رہنا چاہئے۔

✪......بہتر یہ ہے کہ دعوت میں شریک علم وعمل یا عمر میں افضل حضرات کو آمد ورفت اور کھانے میں مقدم رکھ کر ان کا اکرام کیا جائے (الموسوعة الفقهية ج۲۰، مادہ ''دعوة'' بتغیر)

✪......کھانے کے وقت میزبان کے لئے مستحب یہ ہے کہ مہمانوں کی خدمت کرے، البتہ اگر مہمان زیادہ

نہ ہوں یا کوئی دوسرا خدمت کرنے والا موجود ہو اور مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں ان کی خدمت میں خلل نہ آتا ہو تو ساتھ بیٹھ کر کھانے میں بھی حرج نہیں (احسن الفتاویٰ ج ۹ ص ۷۱ بتغیر)

✪......دعوت صرف کھانے کے ساتھ اور وہ بھی اپنے گھر بلا کر کھلانے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بعض اللہ والوں نے فرمایا کہ دعوت تین قسم کی ہوتی ہے، ایک سب سے اعلیٰ وافضل ہے، دوسری متوسط و درمیانی ہے اور تیسری ادنیٰ ہے:

سب سے اعلیٰ وافضل اور پہلے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنی منظور ہو اس کو جا کر نقد ہدیہ پیش کر دیا جائے، تا کہ اسے آنے جانے کی کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے، اور وہ نقدی سے جس طرح کی چیز چاہے خرید کر کھالے، اور اگر اس کی کوئی دوسری ضرورت ہو تو اس میں خرچ کرلے، کیونکہ دعوت کا ایک مقصد دوسرے کو خوش کرنا اور اس کو راحت پہنچانا ہے اور اس صورت میں دوسرے کو بہت زیادہ راحت رہتی ہے، اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی، اس لئے یہ دعوت کی قسم سب سے اعلیٰ وافضل ہے۔

متوسط اور درمیانہ درجہ کی دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنا چاہتے ہو کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دو، اس صورت میں اگرچہ دوسرے کو اپنی من پسند اور ضرورت کی چیز کھانے اور خریدنے کا تو کوئی اختیار نہیں ہے (جو کہ پہلی صورت میں تھا) لیکن دوسرے کو آنے جانے اور وقت و پیسہ خرچ کرنے کی زحمت نہیں کرنی پڑے گی، اس لئے دعوت کی یہ قسم دوسرے نمبر پر ہے۔

سب سے ادنیٰ درجہ اور آخری نمبر کی دعوت یہ ہے کہ دوسرے کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلایا جائے۔

یہ آخری درجہ اور نمبر کی دعوت اس لئے ہے کہ آج کل مصروف زندگی میں وقت نکالنا آسان کام نہیں، اس کے علاوہ آنے جانے میں زحمت اور مصارف بھی برداشت کرنا پڑتے ہیں، وقت بھی خرچ ہوتا ہے، اور دوسرے کے معمولات میں بھی خلل آتا ہے، اس لئے یہ آخری درجہ اور آخری نمبر کی دعوت ہے (اصلاحی خطبات ج ۵ ص ۲۴۵، وص ۲۴۶ بتغیر)

مگر آج کل رسم و رواج کے غلبہ کی وجہ سے لوگ پہلی دونوں قسموں اور خاص طور پر پہلی قسم کو تو دعوت ہی نہیں سمجھتے، اور جو آخری درجہ کی دعوت ہے اسی کو دعوت سمجھتے ہیں، اس لئے پہلی دونوں قسموں کی دعوت نہیں کرتے، صرف آخری درجہ کی دعوت کرتے ہیں، جس کی فضیلت پہلی دونوں قسموں سے کم ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ (جاری ہے..........)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ ترتیب: مفتی محمد رضوان

تصوف الفاظ اور کیفیات کا نام نہیں

آج کل تصوف اور طریقت کا صرف نام لینے اور مختلف قسموں کی کیفیات کو تصوف سمجھا جاتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی بزرگ کے ملفوظات یاد کر لینے یا تصوّف کے مسائل ازبر ہونے سے شیخ نہیں ہوتا۔

مولانا (روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں ؎

حرف درویشاں بدزدو مردوں تا کہ پیش جاہلاں خواند فسوں!

(بزرگوں کے لفظوں کو کمینہ آدمی چرالیتا ہے تا کہ ناواقف لوگوں کے سامنے ان کے منتر پڑھ لے یعنی ان کے لفظوں میں گرمی ہوتی ہے، لطف و کیف ہوتا ہے، یہ کمینہ آدمی نقل کر کے ان کو اپنا معتقد بناتا ہے)

باتوں کے یاد کر لینے سے کچھ نتیجہ نہیں۔ اگر ایک شخص کو بہت سی مٹھائیوں کے نام یاد ہوں اور نصیب ایک بھی نہ ہو، اُس کو فقط اسماء (ناموں) سے کوئی بھی فائدہ نہیں لیکن اگر نام ایک کا بھی یاد نہ ہو اور کھانے کو دونوں وقت ملتی ہوں تو سب کچھ حاصل ہے۔

مولانا (روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں ؎

میم موادو میم ونون تشریف نیست لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

کہ نام تو صرف پہچان کے لئے ہے ورنہ اس میں کیا رکھا ہے۔ اصل تو معنیٰ ہیں، اور وہ اس سے بفراسخ (میلوں) دور ہیں۔ آج یہ حالت ہے کہ دو چار تعویذ گنڈے یاد کر لئے، جھاڑ پھونک سیکھ لی اور شیخِ وقت بن گئے۔ حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

کے پیر بگوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بیں نباشی تو کہ راہ بر شوی

درمکتب حقائق وپیش ادیبِ عشق! ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(اے ناواقف ذرا کوشش تو کر کہ تو واقف کار بن جائے، جب تک تو خود راستہ دیکھے ہوئے نہ ہوگا، راستہ دکھانے والا کب ہوجائے گا، حقیقتوں کے مدرسہ اور عشقِ الٰہی کے ماہر کے سامنے ہاں اے بیٹے محنت تو کر، تا کہ ایک دن تو باپ بن سکے)

تو پہلے پسر (بیٹا) تو بن لیں اس کے بعد پدر (باپ) بننے کی نوبت آئے گی، یہ تو پیروں کی حالت ہے مریدوں کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے انتخاب (پیر اور بزرگ بنانے اور سمجھنے) کے معیار عجیب وغریب اختراع کر (گھڑ) رکھے ہیں، جس میں ذرا حق پاتے ہیں۔اس کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں۔حالانکہ یہ محض گرمی تلبع (جوانی یا مزاج کے گرم ہونے) سے ہونے لگتا ہے۔

حکایت: ایک شخص شاہ ولی اللہ صاحب (دہلوی) رحمہ اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب (دل) جاری ہوگیا۔آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ دل کے دھڑکنے کو قلب (دل) کا جاری ہونا نہیں کہتے۔قلب (دل) کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی یاد دل پر حاضر رہے۔اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں تھرکتی (اُچھلتی) ہیں۔یہ بہت کامل ہیں۔اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی، اُن کی نسبت (متعلق) کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں، یعنی ان میں کمالاتِ باطنی نہیں۔حالانکہ کمالاتِ باطنی بالکل مخفی (چھپے ہوئے) ہیں۔اور ان کو بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

وہ کمالات یہ ہیں کہ فن میں ماہر ہو، امت کے لئے حکیم (روحانی بیماریوں کا ماہر) ہو۔شریعت کا پورا پابند ہو۔یہ باتیں نہ ہوں تو ہزار مجاہدہ ریاضت ہو کچھ نہیں، جفاکش کہیں گے محنتی کہیں گے۔لیکن بزرگی سے کچھ علاقہ (تعلق) نہیں۔بہرحال عوامُ النّاس اپنے اعمال میں بھی غلط معیار پر چلتے ہیں اور انتخاب بھی غلط معیار سے کرتے ہیں کہ ان کی بدولت اکثر حقوقِ واجبہ (ضروری اور واجب درجہ کے حقوق) بھی تلف اور ضائع ہوجاتے ہیں۔

حکایت: ایک سرحدی عابد کی نسبت (متعلق) سنا ہے کہ آخر شب میں تہجد ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے، اتفاق سے اس روز مسجد میں کوئی مسافر بھی سو رہا تھا۔آپ نے نماز شروع کی، لیکن مسافر کے خرّاٹوں کے سبب سے نماز میں مرضی کے موافق یکسوئی اور اجتماعِ خیالات نہ ہوسکا۔آپ نے نماز توڑ دی اور مسافر کو خواب (نیند) سے جگادیا کہ ہماری نماز میں خلل پڑتا ہے۔اس کے بعد پھر آکر نیت باندھ لی، مسافر چونکہ تکان سے بہت خستہ ہو رہا تھا۔تھوڑی دیر میں پھر سو گیا اور خرانٹوں کی آواز پھر شروع ہوئی۔آپ نے پھر نماز توڑ کر اُس کو بیدار کیا اور اُس کے بعد نماز شروع کی۔تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو آپ کو بہت غصّہ آیا۔

Idara Ghufran

اور چُھری لے کر اس غریب مسافر کو شہید کر دیا۔ اور پھر بفراغت نماز پڑھی۔ صبح کو نماز کے لئے لوگ جمع ہوئے تو مسجد میں لاش کو دیکھا۔ تعجب سے پوچھا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا؟ تو عابد صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اس لئے ہم نے قتل کر دیا۔ یہ تو بالکل کُھلی حماقت تھی اس لئے سب نے اُس پر نفرین (ملامت) کی ہوگی۔ لیکن آج اس سے بہت بڑی بڑی حماقتیں لوگ کرتے ہیں اور اُن کی طرف ذرا التفات (خیال) نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس سے خامض (باریک اور چھپی ہوئی) ہوتی ہیں۔ اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگ کیفیات (غیر اختیاری طور پر پیش آنے والے احوال) کو مطلوب (مقصود) سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے تو ہم پر یہ کیفیات کیونکر طاری ہوتیں۔ حالانکہ یہ (کیفیات) کفار پر بھی طاری ہوتی ہیں۔ اس کی حقیقت ایک واقعہ سے سمجھ میں آئے گی۔

حکایت: ایک سجادہ نشین نے مجلسِ عرس میں صاحب کلکٹر (غیر مسلم انگریز) اور صاحبِ جج کو مدعو کیا۔ وہ چونکہ خلیق (خوش اخلاق) تھے شریک ہوگئے۔ آخر تُن تُن شروع ہوئی اور قوالوں نے گانا شروع کیا۔ کچھ ایسا سماں بندھا کہ صاحب جج پر محویّت (مدہوشی) کے آثار طاری ہونے لگے اور وہ بے اختیار ہو کر گرنے لگے۔ تھوڑی دیر تو تحمل کیا۔ جب نہ سنبھل سکے تو صاحب کلکٹر سے کہا کہ مجھ کو کیا ہوا کہ میں گرا جاتا ہوں۔ صاحب کلکٹر نے کہا کہ میری بھی یہی حالت ہے۔ آخر وہ دونوں وہاں سے اُٹھ گئے اور چل دیئے۔

تو صاحبو! کیا یہ صاحب کلکٹر اور صاحب جج بھی بزرگ تھے۔ معلوم ہوا کہ کیفیات کا مدار قبول اور بزرگی پر نہیں۔ وہ ایک انفعال (طبیعت کے اثر قبول کر لینے کی کیفیت) ہے جو کہ اکثر ذکر و شغل سے اور دوسرے اسباب سے بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح بعض اشغال سے ذکر میں یکسوئی بھی زیادہ ہوتی ہے اور خطرات (وسوسے) کم ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان اشغال سے رطوبات (جسم کی تری) کم ہو جاتی ہیں تو یہ سب اسبابِ طبعیہ (طبعی وجوہات) کے دخل سے ہوتی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کیفیات محض بے کار ہیں۔ ہرگز نہیں کیفیات نافع بھی ہیں لیکن مقصود یہ ہے کہ ان میں زیادہ دخل اسبابِ طبعیہ (طبعی وجوہات) کو ہے" (اسلام اور زندگی یعنی الرفیق فی سواء الطریق، حصہ اول ص ۱۲۵ تا ۱۲۸)

ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان

مکتوباتِ مسیح الامت (قسط۴)

(بنام محمد رضوان)

''مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی وہ مراسلت جو مفتی محمد رضوان صاحب کے ساتھ ہوئی، ماہنامہ ''التبلیغ'' میں یہ مراسلت قسط وار شائع کی جارہی ہے''

عرض......احقر بعد نمازِ عشاء وتر سے پہلے چار رکعت تہجد کی نیت کر کے ادا کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی ہر روز یہ ارادہ کرتا ہے کہ صبح فجر سے قبل تہجد انشاء اللہ وقتِ مستحب میں ادا کروں گا۔ لیکن آج کل رات چھوٹی ہونے اور رات کو مطالعہ میں مشغولی کے باعث مزید تاخیر سے سونے کی وجہ سے تہجد میں بیدار نہیں ہو پاتا۔ البتہ الحمد للہ و بفضلِ خدا جماعتِ فجر میں شمولیت ہو جاتی ہے۔ احقر نے یہ تدبیر بھی اختیار کر کے دیکھی کہ، رات بعد عشاء مطالعہ کر کے اس نیت سے سو رہا کہ آخر شب میں مطالعہ کروں گا، مگر اس کے باوجود بیداری نہیں ہو پائی اس لئے یہی مناسب سمجھا کہ اول شب میں مطالعہ و تہجد سے فراغت حاصل کر لی جایا کرے۔

ارشاد...... جو طریق اسہل اور احوط ہو۔ [1]

عرض......کوئی طالب علم، ساتھی کبھی یہ سوال کر لیتا ہے کہ کیا آپ حضرت والا سے بیعت ہیں، اس کے جواب میں کہہ دیتا ہوں کہ جی ہاں بیعت ہوں۔ اور دل میں یہ نیت ہوتی ہے کہ اگر چہ رسمی بیعت نہیں مگر دل سے تو ہوں ہی، بوجہ اعتقاد و اعتماد اور اصلاحی تعلق قائم ہونے کے، کیا یہ جواب درست ہے؟

ارشاد......ہاں۔ [2]

---

[1] حضرت رحمہ اللہ ہر کام میں اسہل و احوط پہلو کا لحاظ فرماتے تھے، احقر کے نام جو حضرت رحمہ اللہ کا آخری خط ہے ''جو بعد میں آتا ہے'' اس میں بھی حضرت نے اسہل و احوط پہلو کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

[2] بندہ نے شروع میں حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی تھی، جس پر حضرت نے زبانی طور پر تفصیلاً فرمایا تھا کہ بیعت ہونا مقصودِ اصلی نہیں، اصل چیز اصلاحی تعلق کا ہونا اور اس کے حقوق کی ادائیگی ہے، جو بغیر بیعت کے بھی حاصل ہو جاتی ہے، اور آج کل بیعت کے سلسلہ میں عام طور پر غلو ہو رہا ہے، لہٰذا خواص جو بغیر بیعت کے بھی اصلاحی تعلق کو نباہنے کے اہل ہوں، ان کو بیعت کرنے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا، تاکہ اس غلو کی عمل کے ذریعہ سے بھی اصلاح ہو، پھر ایک تو بیعت کی صورت ہے ﴿بقیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو﴾

عرض...... کبھی سوچتا ہوں کہ احقر آپ والا سے رسمی بیعت تو ہے نہیں البتہ بیعت کی درخواست احقر نے ضرور کی تھی لیکن آپ والا نے تحریر فرمادیا تھا کہ اس وقت اس سوال کی کیا ضرورت (تفصیل اسی کاپی کے ابتداء میں درج ہے) اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ احقر جواب اثبات میں دے یا نفی میں۔

ارشاد...... اوپر لکھدیا۔

عرض...... کبھی احقر سے کوئی شخص دریافت کرتا ہے کہ بیعت ہونے کا کیا طریق ہے۔ احقر جواب میں کہہ دیتا ہے کہ جا کر حضرت سے ہی معلوم کر لینا کہ کیا طریق ہے۔

ارشاد...... جلد فراغت ہوگئی۔ [۱]

عرض...... گزشتہ سال احقر اپنی جماعت اور درجہ میں اپنی علمی استعداد و قابلیت کی حالت بہتر پاتا تھا اور دوسروں سے تعریفی کلمات سن کر دِل خوش ہوتا تھا۔ لیکن اس سال اپنی حالت علمی اعتبار سے سب سے کمتر پاتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ تُو نے تَو اپنی عمر یوں ہی ضائع کردی دوسروں کی نظروں میں خوامخواہ مشہور ہوگیا

﴿**حاشیہ پیچھے سے مسلسل**﴾ اور ایک حقیقت ہے، چنانچہ حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آج کل عام طور سے اس میں غلطی ہورہی ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کو بیعت سمجھتے ہیں اور (شیخ و پیر کی) تعلیم واتباع کو ضروری نہیں سمجھتے، اس لئے مجھے اس میں کلام ہے (یعنی اطمینان نہیں ہے) کہ آج کل کسی طالبِ بیعت (یعنی بیعت کے طلب گار) کو چپکے سے جلد بیعت کر لینا جائز بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس میں تقریر (یعنی برقرار رکھنا) ہے اس کی غلطی کی، اس طرح بیعت کر لینے سے وہ (یعنی بیعت ہونے والا) یہی سمجھے گا کہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ہی بیعت کی حقیقت ہے، نیز آج کل یہ بھی عام لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بدون (یعنی بغیر) بیعت کے نفع نہیں ہوتا، گویا لوگوں نے اصل مقصود کو اس فرع (یعنی ضمنی چیز) کے تابع کر دیا ہے، میرے نزدیک ان غلطیوں پر تنبیہ (یعنی آگاہ کرنا) لازم ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ طالب (یعنی بیعت کے طلب گار) کو اولاً اس پر متنبہ کیا جائے کہ بیعت (یعنی ہاتھ میں ہاتھ دینا) نہ مقصود ہے نہ کسی مقصود کا موقوف علیہ ہے (یعنی جس پر مقصود موقوف ہو) صرف رسمِ مشائخ (یعنی مشائخ کا طریقہ) ہے اور حقیقت بیعت کی یہ ہے کہ مرید کی طرف سے اتباع کا التزام (یعنی شیخ کی طرف سے دی گئی تعلیم وہدایت کو اپنے اوپر لازم کرنا) ہو اور شیخ کی طرف سے تعلیم کا التزام (یعنی مرید کو تعلیم وہدایت دینے کو اپنے اوپر لازم کرنا) ہو، اگر دو شخصوں میں ایسا معاہدہ ہوجائے خواہ قولاً یا حالاً (یعنی الفاظ کے ذریعہ سے ہو یا صرف حالت سے) کیونکہ معاہدہ کبھی حالیہ (یعنی حالت کے اعتبار سے) بھی ہوتا ہے تو بس بیعت کا تحقق (یعنی وجود) ہوگیا" (البدائع ص ۳۸۰ بحوالہ تواصی بالصبر حصہ دوم)

اور جب حضرت رحمہ اللہ نے بندہ کے بیعت ہونے کے جواب میں اثبات کے ساتھ جواب تحریر فرمادیا تو پھر حقیقی بیعت ہونے میں بندہ کو کوئی شبہ بھی نہ رہا، اور اس کے بعد پھر کبھی احقر نے رسمی بیعت کی درخواست نہیں کی۔

[۱] حضرت رحمہ اللہ کے اس جملہ سے ظاہر ہے کہ حضرت نے بیعت کا طریقہ نہ بتلانا اور حضرت سے معلوم کر لینے کی طرف مخاطب کو متوجہ کرنا پسند نہیں فرمایا، اس جملہ سے حضرت والا کی منشاء یہ تھی کہ جب بیعت کی حقیقت اور اس کے طریقہ سے آپ کو واقفیت ہے تو مخاطب سائل کو بتا دینا چاہیے۔

ہے۔حاصل تو کچھ کیا نہیں اور اندر کی یہ حالت دوسروں کے سامنے کھل گئی تو بڑی رُسوائی ہوگی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شائد اپنے اوپر تعلّی اور بڑائی کی نعوذ باللہ نظر پڑ گئی تھی ،جس سے علمی استعداد سلب ہوگئی،اس سے احقر کو بہت تشویش لاحق ہے۔

ارشاد......کیا یہ نہیں معلوم کہ یہ ایسے خیالات اُڑے اُڑے خوامخواہ نجوہ من الشیطان ہوتے ہیں، اپنے قصد کا کوئی دخل نہیں، پھر التفات اختیاری، کیسا رنج پالا انما النجویٰ من الشیطان الخ ؁۱

عرض......گزشتہ سال رمضان کی تعطیلات میں احقر راولپنڈی وملتان رہائش پذیر تھا، بہت سے مرحلے امتحان کے پیش آئے لیکن الحمدللہ آپ والا کی برکت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ جب کوئی واقعہ یا سوال پیش آتا تو فوراً آپ والا کی صحبت بابرکت میں سنا یا دیکھا ہوا جواب یا واقعہ سامنے آجاتا جس سے مخاطب کو تسلی ہوجاتی تھی ،اس وقت آپ والا کی صحبت کا فائدہ پوری طرح ظاہر ومحسوس ہوا اور مزید صحبت کا جذبہ پیدا ہوا، یہ تو علمی فائدہ تھا لیکن اس وقت احقر کی زیادہ تر توجہ اپنی اصلاح کی طرف ہے تاکہ عملی جذبہ بھی پیدا ہو اور اسی کی اس وقت زیادہ ضرورت ہے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

ارشاد......اصل یہی ہے۔ ؁۲

عرض......احقر کے حجرہ کے قریب مدرسہ میں استنجاء خانہ نہیں ہے۔بعض طلبۂ کرام حجروں کی پشت کی جانب مطبخ سے کچھ فاصلہ پر جہاں اینٹوں کا ملبہ وغیرہ پڑا ہے۔ وہاں جاکر پیشاب کا تقاضا پورا کرلیتے ہیں، احقر کی طبیعت میں اس طرح کرنے سے حجاب ہوتا ہے کیونکہ پیچھے سے پشت آنے جانے والوں کی طرف ہوتی ہے اگرچہ ستر چھپا ہوتا ہے، اسی طرح بعض مساجد کے بیرونی حصوں میں پیشاب خانے اس طرح بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ دائیں بائیں اور سامنے سے رکاوٹ ہوتی ہے لیکن پشت کی جانب سے نہیں ہوتی، دروازہ وغیرہ بھی لگا ہوا نہیں ہوتا، ایسے مقامات پر بھی پیشاب کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو

؁۱ مبتدی سالک وساوس سے بہت پریشان ہوتا ہے اور ان کو ایمان یا عملِ صالح کے خلاف سمجھ کر تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے اور بسا اوقات یہ سلسلہ تشویشناک صورتِ حال اختیار کرلیتا ہے، ایسے وقت مصلح اور رہبر کی رہنمائی کے ذریعہ سے ہی اس پریشانی اور تشویش سے نجات حاصل ہوتی ہے، حضرت رحمہ اللہ نے واضح فرمادیا کہ جو خیالات اپنے قصد واختیار کے بغیر آئیں، ان کی طرف اپنے اختیار اور قصد سے توجہ کرکے رنج پالنا اور کُڑھنا درست نہیں۔

؁۲ حضرت رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ''اصل یہی ہے'' اس اُصول کی نشاندہی کرتا ہے کہ سالک کے پیشِ نظر اصل چیز اپنی اصلاح ہونی چاہیے، بعض اوقات سالک اور خاص طور پر وہ سالک جس کو دوچار لوگ اپنا مقتدیٰ اور صاحبِ علم خیال کرنے لگیں اپنی اصلاح سے بے نیاز ہوکر صرف دوسروں کو ہی اصلاح کا محتاج سمجھ بیٹھتا ہے، اور اسی طرح زندگی بھر اپنی اصلاح سے غافل رہ کر آخرت کے وبال میں مبتلا ہوجاتا ہے، اللّٰھم احفظنا من شرور النفس والشیطان۔

بہت حجاب ہوتا ہے اور تقاضا روکنے سے مثانہ پر زور پڑتا ہے، ان حالات میں احقر کیا طریق اپنائے جس سے یہ مشکل ختم ہو۔

ارشاد...... یہ مشکل پیش آنا مختلف جگہوں کے ساتھ ہے۔ تعین ہو۔ ۱

عرض...... پہلے سبق کی سماعت سرسری طور پر ہو جاتی تھی اور اپنے اوپر انطباق نہیں ہوتا تھا، اسی طرح جب کوئی خوشی کا موقع ہوتا تھا تو اس وقت خوف اور اس حالت ونعمت کے زوال کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔ اب الحمدللہ تعالیٰ کچھ دنوں سے یہ حالت ہے کہ جب سبق میں کوئی مسئلہ یا واقعہ قابلِ عبرت سامنے آتا ہے تو دِل میں رِقّت پیدا ہو جاتی ہے اور خوف رہتا ہے کہ یہ حالت تیرے اوپر بھی آنے کا امکان ہے مثلاً اضطرار کا مسئلہ سامنے آیا تو ڈر ہوا کہ اس کا خطرہ ہے اور جب اتنی نعمتوں کا استحضار ہوا جو میسر ہیں تو شکر ادا ہوا۔ اسی طرح خوشی کے موقع پر اب وہ کیفیت نہیں جو پہلے تھی بلکہ ساتھ ہی اس کے زوال کا خوف لاحق ہو جاتا ہے کہ جس نے یہ سب کچھ دیا اس کے قبضۂ قدرت میں مصیبت کا بھیجنا بھی ہے اللہ حفاظت فرمائے۔ اس لئے اترانے سے کیا فائدہ۔

ارشاد...... شکرِ نعمت، شکاراً اور خیالِ زوال، حفظ کبر۔ ۲

عرض...... ایک ساتھی کے ساتھ بندہ تخمیناً دو تین سالوں سے قرآن مجید کا دور کیا کرتا تھا۔ لیکن اس سال احقر بعد مغرب نفلوں میں بتوفیقِ الٰہی وبرکتِ شما ایک پارہ تلاوت کر لیتا ہے، جس کی وجہ سے اب مستقل دور کی ضرورت وحاجت نہیں ہے وہ ساتھی امسال متعدد مرتبہ دور پر اقدام کے لئے احقر کو کہہ چکے ہیں۔ احقر کی طبیعت بوجہ قدیمی ساتھی ہونے کے انکار سے محجوب ہوتی ہے، اب اُن کو کیا جواب دیا جائے جس سے ان کی غیر معمولی رعایت ہو جائے اور دل شکنی نہ ہو۔

ارشاد...... تجربہ سے معلوم ہوا کہ اب اتنے دور کے بعد خود پر زور ڈالا جاوے تاکہ خوب مضبوط ہو۔ ۳

---

۱ دیکھئے حضرت رحمہ اللہ نے کتنا آسان حل فرما دیا، جس کی طرف خود سے توجہ ہونا مشکل تھا، کہ جگہ متعین کر لی جائے، جس سے اجنبیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ رُکاوٹ اور مشکل پیش نہیں آئے گی۔

۲ نعمت پر شکر کرنے کی صورت میں بعض اوقات سالک عجب یا کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے نعمت پر شکر کرنے کے ساتھ ساتھ اگر اس نعمت کے زوال اور دنیا کے فانی ہونے کا استحضار رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی برکت سے عجب وکبر سے حفاظت فرما لیتے ہیں۔

۳ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت والا رحمہ اللہ کے جواب مبارک میں کتنی جامعیت اور اعتدال ہے، جس کی طرف سالک کی خود سے توجہ ہونا ازبس مشکل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو نورِ ایمانی کی برکت سے جو بصیرت عطا فرماتے ہیں، یہ نعمت ایک عام سالک کو کہاں میسر ہوتی ہے۔

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس ترتیب: مفتی محمد رضوان

❖ ختمِ بخاری کے عنوان سے کیا ہونے لگ رہا ہے

ختمِ بخاری ودستار بندی کی روایت اکابرین سے مدتِ دراز سے چلی آرہی ہے، اپنی ذات میں جلسۂ دستار بندی وختمِ بخاری کی تقریب ایک بابرکت تقریب ہے، اوراس کا صحیح طریقہ پر شرعی اصولوں کے مطابق انعقاد فائدہ اور نفع کا باعث ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہر چیز سے اس کے صحیح استعمال سے ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اگر ایک قیمتی اور نفع بخش چیز کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جائے، یا اس کے حقیقی مقصد کو نظر انداز کر کے غلط اور فاسد مقصد اور غرض کے لئے اس کا استعمال کیا جائے تو وہ چیز باوجودیکہ اپنی ذات میں فائدہ منداور نفع بخش ہو اس کے باوجود بھی طریقۂ استعمال اور غرض وغایت کے غلط ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ حقیقی منافع سے محرومی مقدر بن جاتی ہے بلکہ فائدہ کے بجائے نقصان کا باعث ہو جایا کرتی ہے۔
اہلِ علم حضرات یہ چیزیں واضح ہیں کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لہٰذا جب تک ختمِ بخاری کے عمل کو صحیح صحیح طریقہ پر اس کی حقیقی غرض وغایت کے مطابق انجام دیا جاتا رہے گا نہ صرف یہ کہ شرعی اعتبار سے جائز ہوگی بلکہ خیر وبرکت کا باعث بھی ہوگی، لیکن جب اس کو غلط طریقہ پر اوراس کی غرض وغایت سے ہٹ کر انجام دیا جائے گا تو نہ صرف یہ کہ یہ عمل خیر وبرکت سے محرومی کا باعث ہوگا بلکہ اسی کے ساتھ شرعی اعتبار سے اس کو جائز کہنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

اہلِ علم حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر کسی مباح بلکہ مستحب عمل میں بھی مفسدہ پیدا ہو جائے تو وہ عمل مباح نہیں رہتا اور نہ مستحب عمل مستحب رہتا ہے بلکہ مکروہ وممنوع ہو جاتا ہے، اور ختمِ بخاری کے عمل کو مستحب سے زیادہ درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

چند سالوں سے ہمارے یہاں عام طور پر اکثر وبیشتر ختمِ بخاری ودستار بندی کی تقاریب جس انداز سے انجام دی جارہی ہیں ان کو سامنے رکھ کر یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ عمل موجودہ انداز کے ساتھ انجام دینا کوئی مستحب عمل رہ بھی گیا ہے یا نہیں؟

ہمارے اکابرین کا طریقہ تھا کہ ختمِ بخاری کے موقع پر اکثر پورے سال بخاری شریف کی تعلیم دینے والے شیخ الحدیث اور کبھی کوئی اور اللہ والے صاحبِ علم بزرگ کسی نمود ونمائش اور شہرت وتفاخر کے بغیر بخاری

شریف کی آخری حدیث کا درس دیا کرتے تھے، جس میں ایمان ویقین کی باتیں ہوتی تھیں، علم ومعرفت کے انوار کی بارشیں ہوا کرتی تھیں، حدیث کی اہمیت وعظمت پر وعظ ونصیحت ہوا کرتی تھی، طلبۂ کرام کو تقوے وپرہیزگاری کی وصایا کی جاتی تھیں، اور آخر میں دعائیں ہوتی تھیں، اور علم وانوار سے پُر یہ تقریب نہایت سادگی کے ساتھ اختتام پذیر ہو جایا کرتی تھی، نہ اسراف اور فضول خرچی کا کوئی نام ونشان ہوتا تھا، نہ نام ونمود پیشِ نظر ہوتا تھا، نہ فخر وتفاخر اور نہ ایک دوسرے سے مقابلہ بازی کا کوئی وجود تھا، نہ فاسق وفاجر سیاسی شخصیات کو منبر ومحراب پر براجمان کرنے کی کوئی رسم ہوتی تھی، نہ حکمرانوں کے خلاف زبان درازی ہوتی تھی، نہ نااہل طلبہ کو عوام کے سامنے مقتدا اور پیشوا بنا کر ظاہر کرنا ہوتا تھا، نہ طلبہ کی تعداد کی کثرت پر زور ہوتا تھا، نہ اپنے مدرسہ کی کارگزاری پیش کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا تھا اور نہ اس تقریب سے چندہ کا حصول مقصد ہوا کرتا تھا، اور نہ مختلف مزاج ومذاق کے سیاسی وغیر سیاسی مقررین کا ہجوم ہوتا تھا، نہ تو طلبہ کے گلوں میں نوٹوں کے ہار ڈالے جاتے تھے، اور نہ ہی فائرنگ کا شور شرابا ہوتا تھا اور نہ ہی کنبہ اور برادری کے سب لوگوں کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام ہوتا تھا، نہ تو بے پردہ خواتین کا ہجوم ہوتا تھا، نہ اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر بلکہ قرض تک لے کر کھانوں کا کوئی انتظام ہوتا تھا، نہ اشتہارات اور دعوت ناموں کے ذریعہ سے فارغ شدہ طلبہ کی تعداد کا اظہار کیا جاتا تھا، نہ مدارس اور دارالاقاموں کی زیبائش اور نمائش ہوتی تھی، نہ آج کل کی شادی بیاہ کی واہیات رسموں کی طرح اس خالص دینی تقریب میں کوئی رسم ہوتی تھی۔

دوسری طرف آجکل کی اکثر وبیشتر ختمِ بخاری کی یہ مروج تقاریب ہیں جن میں مذکورہ یا اس جیسی بیسیوں خرابیاں شامل ہو چکی ہیں، جن کو ختمِ بخاری کا نام دینا بھی قطعاً غیر مناسب معلوم ہوتا ہے، اوپر سے مصالح پرستی کے فتنہ نے ان مفاسد کو سوچنے سمجھنے اور ان سے بچنے کی صلاحیت واستعداد کو بھی دبا کر رکھ دیا ہے، اگر خدانخواستہ یہ سلسلہ بلانکیر اسی طرح جاری رہا تو معلوم نہیں آگے چل کر کیا صورتِ حال پیدا ہو جائے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

✪ ......"اس (جلسہ دستاربندی) میں ہم لوگوں کی اغراض مختلف ہوگئی ہیں، جن میں بعض اغراض خراب بھی ہیں، کہیں اس سے اپنی کارگزاری کا اظہار مقصود ہوتا ہے، کہیں چندہ کی کوشش کے لئے اس قسم کے جلسوں کو ذریعہ بنایا جاتا ہے، اور چندوں میں حدودِ شرعیہ کا لحاظ

نہیں کیا جاتا، کہیں اس کی حقیقت اور اس فعل کے درجہ کو واضح نہیں کیا جاتا، جس سے عوام کو غلطی اور خود فارغ شدہ جماعت کو بھی دھوکہ ہوتا ہے، لوگ ان لوگوں کو ابھی سے مقتدا اور معتمد سمجھنے لگتے ہیں اور خود فارغ شدہ جماعت بھی اپنے متعلق یہ اعتقاد کر لیتی ہے کہ بس ہم آج سے مقتدا ہو گئے، باقی اصل مقصود اس تقریب سے تعلیم کا اہتمام اور غیر فارغ شدہ جماعت کو تکمیل کی رغبت دلانا ہے" (وعظ الاسعاد والابعاد، خطبات حکیم الامت ج ۲۶ ص ۲۵، بعنوان اصلاحِ اعمال)

✪......"جہاں تک غور کر کے اور تجربہ کی شہادت سے دیکھا جاتا ہے، بڑی غرض ان جلسوں کے انعقاد کی دو امر معلوم ہوتے ہیں (۱) فراہمئ چندہ (۲) اور اپنی کارگزاری کی شہرت، یا یوں کہئے کہ مدرسہ کی وقعت ورفعت۔ جس کا حاصل حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ نکلتا ہے، جس سے نصوصِ کثیرہ میں نہی فرمائی گئی ہے" (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۵)

✪......"وجوبِ ترک کے لئے صرف قبیح بالذات (بذاتِ خود بُرا ہونا) شرط نہیں بلکہ قبیح بالغیر (کسی واسطہ سے بُرا ہونا) کافی ہے، سو یہ امر تو مسلَّم (تسلیم) ہو چکا ہے کہ بہت سے بلکہ کُل جلسے مفاسدِ معروضہ سابقہ (ماقبل میں پیش کئے گئے مفاسد) سے خالی نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسداد (روک، تھام) حتی الامکان ضروری ہے اور ان کی ترویج مباشرۃً یا تسبباً منہی عنہ (بذاتِ خود یا سبب بن کر ان کو رواج دینا ممنوع) ہے ایسی حالت میں اگر کوئی مہتمم مدرسہ نہایت احتیاط کے ساتھ جلسہ کرے تو مباشرِ مفاسد (بذاتِ خود مفاسد کا مرتکب) تو نہ ہوگا۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے غیر احتیاطی جلسوں کی ترویج کا سبب تو بنے گا، فقہاء نے بہت مواقع میں بعض مباحات کو محض **سدًّا لِلذرائع و حسماً لمادّة الفساد** (ناجائز کاموں کے اسباب اور فساد کی بنیاد کو ختم کرنے کے لئے) تاکید سے روکا ہے" (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۹)

✪......"جو مصلحتیں ان جلسوں (کو منعقد کرنے) میں ارشاد ہوئی ہیں (مثلاً یہ کہ جو لوگ شریکِ چندہ ہیں ان کو واقعی کیفیت بلا زیادتی اور کمی کے سنائی جائے اور انعام تقسیم کر کے جو طلبہ قابل ہیں ان کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو، اور نیز چند علماء جمع ہو کر وعظ ونصیحت کریں تاکہ لوگوں کو ہدایت ہو اور مخلوق کو فائدہ پہنچے وغیرہ) ان کے مصلحت ہونے میں کلام نہیں، مگر مصالح اور مفاسد میں جب تعارض ہوتا ہے، مفاسد کے اثر کو ترجیح ہوتی ہے، جبکہ مصالح حدِ ضرورتِ شرعی تک نہ پہونچے

ہوں، اور مانحن فیہ (ہماری زیر بحث صورت) میں ظاہر ہے کہ ضرورتِ شرعی نہیں ہے (پس مواقعِ ضرورت بشرطِ رعایتِ احتیاط مستثنیٰ ہوں گے، اور گو یہ قلیل ہوں مگر معدوم نہیں) بلکہ مصلحت بھی اسی صورت میں منحصر نہیں ہے'' (امداد الفتاویٰ ج۴ص۷۰)

✪......''بعض مدارس میں ایسے لوگوں کو سندِ فراغت دے دی جاتی ہے یا دستار بندی کر دی جاتی ہے جو باعتبارِ صلاح وعمل کے اس کے اہل نہیں ہوتے، جب ان لوگوں کی علمی وعملی کوتاہیاں دوسروں پر ظاہر ہوتی ہیں تو سارے علماء کو ان پر قیاس کر کے سب سے بدظنی ہو جاتی ہے تو دین کے معاملات میں پھر کس سے رجوع کریں گے۔ کس کے قول پر عمل کریں گے۔ پھر دین کا کیا حشر ہوگا۔ تو ان مفاسد کا سبب وہ بے احتیاط لوگ ہوئے۔ جو نااہلوں کو قوم کے سامنے سند دے کر اہل ظاہر کرتے ہیں'' (تحفۃ العلماء ج۱ص۱۱۵، بحوالہ تجدید تعلیم وتبلیغ ص۴۷)

یوں تو اس موضوع پر ابھی بہت کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہے لیکن اس مختصر تحریر کے ذریعہ اہلِ علم حضرات کو متوجہ کرنا اور غور وفکر کرنے کی دعوت دینا مقصود ہے، اگر اکابرین کے مندرجہ ذیل ارشادات کو ملحوظ رکھ کر نیک نیتی واخلاص کے ساتھ اور خالی الذہن ہو کر مسئلہ ھٰذا کے مالہٗ وماعلیہ کا جائزہ لینے کا اہتمام کیا جائے گا تو امید ہے کہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ مشکل نہ ہوگی۔

ابوحنیفۂ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

✪......''فی الحقیقت جوامرِ خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے'' (تذکرۃ الرشید ج۱ص۱۲۸)

✪......''اوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز، اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز، اور امورِ مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدمِ جواز کا ہو جاتا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال وحرام سے حرام ہوتا ہے، یہ کلیہ فقہ کا ہے'' (تذکرۃ الرشید جلد۱ صفحہ۱۳۳)

اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

✪......فعلِ مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امرِ غیرمشروع کے مل جانے سے غیرمشروع وممنوع ہو جاتا ہے (اصلاحُ الرسوم صفحہ۱۵۴، باب سوم، قاعدہ دوم)

✪......یہ امر بھی یقینی ہے کہ جوامرِ خیر بذریعہ غیرمشروع حاصل ہو وہ امرِ خیر نہیں ہے

اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہوجاوے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو، جائز الحصول نہ ہوگا (تذکرۃ الرشید جلد اصفحہ ۱۳۰)

✪......امرِ مشروع بوجہ اقتران وانضمامِ غیر مشروع کے غیر مشروع ہوجاتا ہے (ایضاً صفحہ ۱۵۴ و ۱۵۵، مطبوعہ: مدینہ پبلشنگ، بندر روڈ کراچی)

✪......''جو امر مفاسد کا ذریعہ بنے اگرچہ وہ امر مباح ہو لیکن بسبب ذریعۂ مفاسد بننے کے حرام ہوجاتا ہے'' (رسالہ تحقیق تعلیم انگریزی ص۲)

✪......''جو حکم کسی عارض کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس حکم کا دارومدار اس عارض پر ہوتا ہے، پس اگر زمانہ کے اختلاف یا ملک کے تبدیل سے وہ عارض جاتا رہے تو وہ حکم بھی جاتا رہے گا'' (رسالہ تحقیق تعلیم انگریزی ص۴)

✪......''جس امر میں کراہت عارضی ہو، اختلافِ ازمنہ وامکنہ واختلافِ تجربہ ومشاہدۂ اہلِ فتویٰ سے اس کا مختلف حکم ہوسکتا ہے ،یعنی یہ ممکن ہے کہ ایسے امر کو ایک زمانہ میں جائز کیا جاوے، اس وقت اس میں وجوہ کراہت کی نہیں تھیں، اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جاوے، اس وقت علت کراہت کی پیدا ہوگئی، یا ایک مقام پر اجازت دی جاوے، دوسرے ملک میں منع کر دیا جاوے، اس فرقِ مذکور کے سبب، یا ایک وقت اور ایک موقعہ پر ایک مفتی جائز کہے اور اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی خرابی کیا کیا پیدا کر دی ہیں، دوسرا مفتی ناجائز کہے کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہوگیا ہے تو واقع میں یہ اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں اور تعارض صوری ہے معنوی نہیں، حدیث اور فقہ میں اس کے بے شمار نظائر مذکور ہیں۔ دیکھو! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں آ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا، اور صحابہ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی'' (اصلاحُ الرسوم صفحہ ۱۵۶ و ۱۵۷، باب سوم، قاعدہ چہارم)

✪......''کسی شئ پر حکم لگانا باعتبار غالب اور اکثر کے ہے، ایک آدھ فرد کا اس سے نکل جانا اس حکم کے مخالف نہ کہلائے گا'' (رسالہ تحقیق تعلیم انگریزی ص۳)

✪......''حکم واقعاتِ اکثریہ پر لگایا جاتا ہے اور جو بات شاذ ونادر ہوا کرتی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا'' (تحفۃ العلماء ج۲ ص۸۴ ''فقہ حنفی کے اصول وضوابط'' بحوالہ افاضات ج۱۰ ص۱۵۶)

علم کے مینار از: مولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں و کاوشوں پر مشتمل سلسلہ

ہر چہ گیرد علّتی ...... (قسط ۹)

تیسرا تعلیمی دور

اسلامی ہند کے تیسرے تعلیمی دور کا آغاز مغلیہ عہد میں اکبر بادشاہ کے زمانے سے ہوتا ہے، اکبر کا زمانہ حکومت آدھی صدی سے بھی کچھ اوپر ہے (۹۶۲ھ تا ۱۰۱۴ھ) مغل سلاطین خود بھی علم اور فضل سے آراستہ تھے اور علوم وفنون کے قدردان بھی تھے، اسلامی ہندوستان کی پوری علمی تاریخ میں یہ چیز بہت واضح دکھائی دیتی ہے کہ یہاں کی علمی تحریکات وادارے اور تعلیم و تعلم کے سلسلے عراق، خراسان، اور وسطی ایشیا (ماوراء النہر) کے حالات کے زیرِ اثر رہتے تھے، جو تبدیلیاں وہاں آتی تھیں اس کے اثرات بہت جلد یہاں پہنچتے تھے [۱] اس کی دیگر وجوہات بھی کسی درجے میں ہوسکتی ہیں لیکن دو بہت اہم اور بنیادی درجے کے اسباب یہ معلوم ہوتے ہیں:

(۱)...... یہاں کی پہلی مستقل اسلامی حکومت کے بانی سلطان شہاب الدین غوری سے لے کر مغلوں تک

---

[۱] اس کا ایک نمونہ پیچھے میر سید شریف اور علامہ تفتازانی وغیرہم کے حالات کے ضمن میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح خراسان اور ماوراء النہر کے ان باکمال علماء کی تصانیف ہندوستان پہنچتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسی قبولیت عامہ پالیتی ہیں کہ خود اپنے اصل وطن سے زیادہ یہاں ان کا ڈنکا بجنے لگتا ہے اور ایسا ان کا سکہ جمتا ہے کہ آج قریب چھ سو سال بعد بھی پاک وہند کے عربی مدارس میں ان کا راج ہے، جبکہ ان چھ سو سالوں میں تاریخ کے پلوں کے نیچے سے بہت پانی بہہ چکا ہے، تہذیبوں کی تہذیبیں وجود میں آئیں پھلیں پھولیں اور فنا کے گھاٹ اتر گئیں، سلطنتوں کی سلطنتیں اپنے عروج وزوال کے مرحلوں سے گذر چکیں، اس نصاب کی بناڈالنے والے لودھی پون صدی حکومت کر کے رخصت ہوگئے، پھر مغل اپنے عروج وزوال کے ساڑھے تین سو سال یہاں اتار چڑھاؤ کے جھولوں میں جھولتے رہے، اس کے بعد مغربی غارت گر سات سمندر پار سے دریاؤں سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے آئے اور یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک بنے اور پورے ڈیڑھ دو سو سال یہاں دندناتے رہے، اس عرصے میں انہوں نے یہاں کے باسیوں کی ذہنیت، مزاج، طور طریق، وضع قطع، عادات ونفسیات اور اس سے آگے بڑھ کر یہاں کے پورے تہذیب وتمدن اور کلچر وثقافت کی کایا پلٹ دی، اور مادیت والحاد اور سامراج دوستی وطاغوت پرستی پر مبنی پورے نظام تعلیم کا مستقل ڈھانچہ اس دیسی نظامِ تعلیم کے متوازی کھڑا کیا، اور ساری ملت کو اس میں رنگ لیا، مگر مدارس میں مجال کیا ہے کہ میر شریف، تفتازانی اور ملا جامی وغیرہ متاخرین ایک خاص عہد کے خاص ماحول میں جن فنون کی ترجمانی اس زمانے کے رائج اسلوب میں کر چکے ہیں اس کا ایک شوشہ بھی ادھر سے ادھر ہو جائے باوجودیکہ عصری جامعات (خصوصاً عرب دنیا کے علمی ادارے) عربیت وبلاغت پر مبنی ان فنون کو بالکل نئے اسلوب میں معقولی ومنطقی انداز سے ہٹ کر تمرینی طریقہ پر از سر نو ترتیب دے چکی ہیں۔

لگ بھگ سات سوسالہ دور میں یہاں جن جن شاہی خانوادوں کی حکومت رہی ،یعنی سلطنت غلاماں، خلجی خاندان، تغلق خاندان، سادات، لودھی، مغول سب انہی اطراف وممالک سے آئے اوراسلامی ہندوستان کی پیشانی پر اپنی اولوالعزمی کی داستان رقم کرگئے، ان میں سے کوئی ترک وتاجک تھے تو کوئی تاتاری النسل اور مغل۔اس لئے ان میں سے ہر سلطنت کا وسطی ایشیا اور خراسان کے علاقوں سے ربط وتعلق رہا۔

(۲)......ہندوستان میں خراسان، ایران، وسطی ایشیا کے علاقوں سے اس پورے عرصے میں ارباب فضل وکمال اور صاحبانِ علم وہنر کی آمد کا ایک تانتا بندھا رہا (جیسا کہ پیچھے اس کی قدرے تفصیلات اور اسباب ووجوہات بیان ہوچکی ہیں) یہاں کے تعلیمی حلقے انہی کے علوم سے فیضیاب ہوتے اور انہی کے دیئے ہوئے نظام ونصاب کی روشنی میں آگے بڑھتے۔

اکبر کا زمانہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے سنگم پر ہے اور دونوں صدیوں میں تقسیم ہے، منتخب التواریخ کے حوالے سے تاریخِ ملت میں منقول ہے کہ اکبر نے ۹۹۵ھ میں خالص اسلامی علوم کے مقابلے میں دوسرے عقلی علوم، نجوم، حساب، طب، فلسفہ وغیرہ کو ملک میں عام کرنے کا فرمان جاری کیا، نصابِ تعلیم کی اس تبدیلی کا ذکر ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں تفصیل سے کیا ہے (تاریخِ ملت ج۳ص۶۸۰) یہ وہی زمانہ ہے جب اکبر کے دینِ الٰہی کا فتنہ برپا ہوچکا تھا اور اسلامی شریعت کی بنیادیں اکبر کی سرپرستی میں بیخ وبُن سے اکھاڑی جارہی تھیں، اکبر کو یہ باور کرایا گیا کہ پیغمبرآخرالزمان کا ایک ہزار سالہ زمانہ گذر چکا ہے (نعوذ باللہ) اب الف ثانی (دوسرا ہزار سالہ دور) کے لئے سارے انسانی کمالات آپ کی ذات میں مرکوز کردیئے گئے ہیں آپ جو چاہیں شریعت میں نسخ وترمیم کریں، وسیع المشربی، صلح کل اور اتحادالادیان پر مبنی نئی شریعت سازی کریں ؎ خرد کا نام جنون رکھدیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ایک ایسی شریعت جس میں ہندوؤں کی بت پرستی، زرتشتوں کی آتش پرستی، نصاریٰ کی تثلیث وغیرہ ہر چیز کو سند جواز ملے، ملا مبارک اور اس کے دو بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کی خدمات اس سلسلہ میں خاص طور پر اکبر کو حاصل تھیں، اس کو اکبر کی سیاسی پالیسی کہیں یا کچھ اور کہیں لیکن تھیں یہ سب چیزیں الحاد پر مبنی، الحاد کے اس طوفانِ بے تمیزی کی زد میں نصابِ تعلیم اور خصوصاً دینیاتی علوم کا آنا بالکل ظاہر ہے، لیکن یہاں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ملکی اور سیاسی سطح پر برپا ہونے والے اس انقلاب کے مقابلے میں اسلامی ہند کے مسلمان معاشرے کی بھی ایک طاقت تھی اور اس معاشرے کی رگوں میں علماءِ راسخین اور مشائخِ کاملین کے علم

وفضل اور عزیمت وتقویٰ کا خون دوڑتا تھا، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بتائیدِ غیبی جب اس طوفان کے آگے بند باندھنے اور اس کے دھاروں کا رخ موڑنے کے لئے کمر کس لی، تو مسلمانوں کی معاشرتی قوت نے اس آواز پر صدائے لبیک کہی، جس کے نتیجے میں اکبر کے دم توڑنے کے ساتھ ہی دینِ الٰہی کا بھی دمِ واپسیں شروع ہوگیا اور پھر مغلوں کے اسی تخت پر اکبر کی تیسری نسل میں ہی سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ جیسے پاسبان شریعت تخت نشین ہوتے ہیں، اور دین کی بنیادوں کو نئے سرے سے مضبوط کرتے نظر آتے ہیں۔ ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

اسلامی معاشرے کی یہ قوت ہی اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں وہ قوت رہی ہے جس نے اسلام کے دامن میں لگنے والے ہر دھبے کو دھویا ہے اور جسد ملی کے ہر زخم وجراحت کو مندمل کرنے کا سامان کیا ہے، جس کے نتیجے میں اسلام کا چہرہ ہر قسم کے دھندلکوں سے صاف ہو کر دوبارہ نئی آب وتاب کے ساتھ تاباں و درخشاں ہوتا رہا ہے، فتنہ تاتار، صلیبی جنگیں، حکومتوں کا استیلاء، اندرونی سیاسی اختلافات اور دشمنوں کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں ان تمام حالات کا اسلام کو اور ملتِ مسلمہ کو تاریخ کے مختلف ادوار میں سامنا کرنا پڑا، جن میں فتنہ تاتار وغیرہ تو ایسے سانحے تھے کہ اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو ان کے دسویں حصے کا بھی سامنا کرنا پڑتا تو اس کا نام ونشان مٹ کر رہتا یا کم از کم وہ اپنی اصلیت اور حقیقت کھو بیٹھتا جیسا کہ سابقہ ادیان کے ساتھ ماجرا ہوا، لیکن یہ اسلام کی سخت جانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدِ غیبی سے ان سب مرحلوں سے وہ سرخرو ہو کر نکلتا رہا، عالمِ اسباب میں اس کی بڑی وجہ مسلمان معاشرے کی اندرونی طاقت اور سپرٹ ہے، مسلمانوں کا خانگی اور معاشرتی نظام ہے، فرد کا اپنے دین اور اپنے رب سے غیر متزلزل مضبوط رشتہ ہے، جس کی بدولت مسلمان خزاں کے ان عارضی موسموں اور بادِ صرصر کے تھپیڑوں کی زد میں آکر بھی کبھی حوصلہ نہیں ہارے، اور بہت جلد ان مرحلوں سے گزر کر دوبارہ اسلامی زندگی کی رونق، چہل پہل اور گہما گہمی کو بحال کرنے میں کامیاب وشادکام ہوتے رہے، لیکن مغربی تسلط کے بعد مغرب نے مسلمانوں کی اسی معاشرتی طاقت کو خاص طور پر نشانے پر رکھا مسلمانوں سے حکومت وسلطنت چھیننے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے اسی مضبوط مورچے پر یلغار کی، مغربی نظامِ تعلیم، مغربی تہذیب وتمدن، کلچر وثقافت سب چیزوں کو اسی معاشرتی طاقت کو ختم کرنے کے لئے اسلامی ملکوں میں پورے زور وشور سے درآمد کیا اور پوری قوت وطاقت سے نافذ کیا گیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی معاشرت کی بنیادیں ہل گئیں، آج امت

کا یہی سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ جس دین و مذہب کی پیروکار ہے اس دین و مذہب کے مطالبات و مقتضیات سے باغی ہے اور صفحہ عالم پر مشرق سے مغرب تک مسلمان معاشروں کی ہزار بارہ سو سالہ جو روشن و تابناک تاریخ ہے، اس سے امت مغربیت کا لبادہ اوڑھ کر بیگانہ ہوگئی، نتیجۃً اسلامی معاشرے کی وہ سنہری اقدار و روایات ایک ایک کر کے دم توڑتی چلی گئیں، جن کے حامل ہوتے ہوئے نہ فتنہ تاتار ہمیں بے نام و نشان کر سکا نہ صلیبی جنگیں اور نہ اکبر کا فتنہ الحاد۔ آج امت کے اس عمومی بگاڑ و فساد کی وجہ سے امت میں جہاں جہاں جو جو طبقے اصلاحِ احوال کے لئے، علمی، نظریاتی اور عسکری میدانوں میں کود کر عزیمت و شجاعت کی داستانیں اپنے خونِ جگر سے رقم کرتے ہیں اور امت کو عروج سابق بخشنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگاتے ہیں تو وہ خود تو بے شک اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو جاتے ہوں گے، لیکن امت کے انحطاط کی اندھیری رات صبح ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ گذشتہ کم از کم ڈیڑھ دو سو سال سے یہی ہو رہا ہے کہ عسکری و جہادی میدان ہوں یا علمی و نظریاتی میدان، قربانیاں دینے والے قربانیاں دے دے کر تھک چکے، لیکن امت کا زوال گہرے سے گہرا ہی ہوتا جا رہا ہے، طرابلس و لیبیا میں سنوسی تحریک اصلاح و جہاد، خطہ قفقاز میں امام شامل اور ان کے رفقاء کی طویل کوششیں اور تحریکِ جہاد، سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک، الجزائر میں عبدالکریم الجزائری کی تحریک، مراکش کی تحریکِ آزادی، مصر و شام میں تحریک اخوان، ہندوستان کے طول و عرض میں سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد سے لے معاصر اسلامی تحریکوں تک ان دو صدیوں میں قربانیوں اور عزیمتوں کی طولانی داستانیں ہیں، لیکن اسلام کی معاشرتی سپرٹ کی جب روح نکال دی گئی اور مسلمان معاشرے اقدار و روایات سے محروم کر دیئے گئے، تو پھر امت کی بے حسی کے آگے پتھروں کی سنگینی نے بھی ہتھیار ڈال دیئے: ع تیرے دامن میں تو بہت کام رفو کا نکلا

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً الخ (البقرة)

پھر سخت ہوگئے تمہارے دل بعد اس کے پس وہ پتھروں کے مانند ہوگئے یا اس سے بھی زیادہ سخت۔

امت کے ہمہ گیر زوال کے گو دیگر اسباب بھی ہیں لیکن ان کی بحث کا یہ موقعہ نہیں۔ خیر یہ داستانِ درد دل تو ضمناً آ گئی ورنہ یہ لہو رنگ داستان تو ایسی ہے کہ قرطاس و قلم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، بزبانِ اقبال ؎

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے   کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"

(جاری ہے..........)

تذکرۂ اولیاء مولانا محمد امجد حسین

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط ۵)

دوسری صورت تصوف کو خود شریعت کے اصولوں کی روشنی میں دیکھنا اور جانچنا ہے، پس اب شریعت کے پیمانے سے اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔تصوف کو تزکیہ باطن ،سلوک اور احسان کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں (حدیثِ جبریل میں)اس کو احسان کے نام سے ذکر کیا گیا ہے،اس میں شرعی درجہ بندی کے لحاظ سے تفصیل یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو قرآن وسنت میں جتنے احکام دیئے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں(۱)......وہ احکام جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں جیسے توحید،رسالت،قیامت کے عقیدے،اسی طرح اللہ کی کتابوں پر،فرشتوں پر اور تقدیر پر ایمان اور عقیدہ (۲)......وہ احکام جو عملی درجے کے ہیں اور ظاہری اعضاء ہاتھ،پاؤں،کان،زبان وغیرہ سے وجود میں آتے ہیں ،جیسے نماز، روزہ،حج،زکوٰۃ،جہاد،نکاح،طلاق،خرید وفروخت،تجارت ،زراعت وغیرہ(۳)......وہ احکام جو باطنی اخلاق اور عادات سے تعلق رکھتے ہیں، بندہ ان کو اپنے باطن اور دل سے انجام دیتا ہے،ان میں دل کے اچھے افعال اور اخلاق بھی ہیں جیسے صبر،شکر،توکل،استغناء،شفقت ومحبت، تواضع وانکساری،رضا بالقضا وغیرہ،جن کو خصائلِ حمیدہ اور فضائل کہتے ہیں،اور دل کے برے اعمال اور اخلاق بھی ہیں جیسے تکبر،حسد، منافقت، بزدلی،خود پسندی،حرص وغیرہ ان کو رذائل کہتے ہیں۔اس باب میں شریعت کے احکام فضائل سے دل کو آراستہ کرنے ،نفس کو سنوارنے اور رذائل سے دل کو پاک کرنے اور نفس کا تزکیہ کرنے کے متعلق آئے ہیں۔

احکام کی یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی اور پیوست ہیں اور شریعت کو تینوں مطلوب ہیں،قرآن مجید میں ان تینوں قسموں کا بیان الگ الگ عنوان سے نہیں ہوا، بلکہ یکجا ان کو بیان کیا گیا ہے، بغیر اس کے کہ ہر قسم کا الگ نام اور اصطلاح ذکر کر کے اس کو بیان کیا ہو،اسی طرح احادیث میں بھی ان سب احکام کا ملا جلا تذکرہ ہے، کیونکہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو،اپنے تمام حرکات وسکنات کو دین کے سانچے میں ڈھال لے،اور دین کو زندگی کے لئے ایک مکمل دستور اور کامل ضابطے کی

شکل میں سامنے رکھے، اور اس معیار پر زندگی کو ڈھال کر ہی آدمی کامل مومن بن سکتا ہے۔ احکام کی مذکورہ درجہ بندی اور ان کے الگ الگ عنوان ثانوی درجہ اور ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، جن کو انسان اپنی سہولت اور انتظام کے تحت خود درجوں اور قسموں میں تقسیم کر سکتا ہے، تاکہ سمجھنے، سمجھانے میں آسانی پیدا ہو اور ان کے فرق مراتب کی رعایت بھی ہو سکے، چنانچہ احکام کی یہ تقسیم اور اس تقسیم کے تحت دین کے مختلف شعبوں کو قائم کرنا اور ہر ایک کو الگ الگ باقاعدہ فن کی شکل دینا اور پھر اس کے اصول وفروع کی تشکیل کرنا اور ان میں سے پھر ہر فن کے لئے الگ الگ ماہرینِ شرع مقرر ہونا اور خاص اس فن کے میدان میں ان ماہرین کا خدمات انجام دینا، تصنیف وتالیف کرنا، اداروں کا وجود میں آنا اور ہر فن والوں کا اپنی ساری صلاحیتیں خاص اسی فن کی خدمت اور نشر واشاعت میں لگانا، یہ سارا نظام نبی علیہ السلام اور صحابہ کے بعد کے زمانوں میں وجود میں آیا۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین کے دور میں جب مسلمانوں پر فتوحات کا دروازہ کھل گیا، ملکوں کے ملک فتح ہوتے گئے اور قوموں کی قومیں اسلام میں داخل ہوتی گئیں، بڑے بڑے متمدن ملک اور ترقی یافتہ تہذیبیں اور معاشرے اسلام کی حکومت اور مسلمانوں کی قلمرو میں شامل ہو گئے، قیصر وکسریٰ کے فارس وروم مسلمانوں کی عملداری میں آ گئے، تو مسلمانوں کو عربوں کی سادہ معاشرتی وتہذیبی زندگی سے باہر آ کر ایک دم ان بڑے بڑے متمدن معاشروں اور دنیوی اعتبار سے ترقی یافتہ قوموں سے واسطہ پڑا، نئی نئی چیزیں سامنے آئیں، مختلف نظریات اور تمدنی طریقوں سے سابقہ پڑا، یہ صورتحال امتِ مسلمہ کے لئے عموماً اور نبی علیہ السلام کے وارثین اہلِ علم کے لئے خصوصاً بڑا چیلنج تھی، اب قرآن وسنت میں اصول تو سب موجود ہیں، جو قیامت تک انسانیت کی ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کے لئے کافی ہیں لیکن ان اصولوں کو نئے نئے پیش آنے والے واقعات وحوادثات پر منطبق کرنا، اور ان جدید متمدن معاشروں کی عملی واجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ایک ایک بات کو شریعت کے اصولوں کے تناظر میں دیکھنا اور اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا اور ان کے صحیح وغلط ہونے کا فیصلہ کرنا اور اس بات کا فیصلہ کرنا کہ کون سی چیز کس حد تک ترمیم سے جواز کے دائرے میں آ سکتی ہے، یہ ایک بڑا وسیع کام تھا اور پھر خود ان معاشروں اور قوموں میں اخلاقیات اور روحانیت کی روح پھونک کر اسلام کا پورا رنگ ان پر چڑھانا جس طرح صحابہ کرام پر نبی علیہ السلام کی صحبت سے اور تابعین پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت سے چڑھا تھا، یہ بھی کچھ کم اہم کام نہ تھا، اس کام کے لئے حکومتی قوانین اور ریاستی نظام جو اگرچہ اسلام ہی کا عطا کردہ ریاستی نظام تھا، کافی نہ تھا بلکہ ضروری تھا کہ معاشرتی سطح

پر رضا کارانہ طور پر اہلِ علم اور اہلِ صلاح افراد سازی (یعنی افراد کی کردار سازی) کے ذریعے اس عمل کو تکمیل تک پہنچائیں، کیونکہ ریاست اور حکومت جتنے بھی انتظامات کرلے اور نظامِ اجتماعی کو جتنا بھی منظّم کرلے وہ معاشرے کو بیرونی طور پر ضابطوں کا پابند بنا سکتی ہے، جبکہ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ اصلاح کا عمل فرد کی تربیت اور اس کے دل میں تعلق مع اللہ پیدا کر کے اور خدا خوفی اور خود احتسابی کی چنگاری سلگا کر شروع کرتا ہے، اس مضبوط بنیاد پر جب افراد تیار ہو کر معاشرہ اور قوم کی تشکیل کرتے ہیں تو اس معاشرہ کے ریاستی اداروں اور حکومتی نظام کی عمارت بہت پائیداری اور استحکام کے ساتھ وجود میں آتی ہے، اداروں کو مثالی سیرت و کردار اور امانت و دیانت کے اوصاف سے متصف افراد میسر آ کر ''گڈ گورننس'' کی تشکیل کرتے ہیں، یہ افراد ایک طرف روحانیت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اپنی اخروی سعادت کی فکر کرتے ہیں تو دوسری طرف اپنے سیرت و کردار اور عمل سے دنیوی اعتبار سے بھی معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنا دیتے ہیں، اب افراد کے اندر یہ قوی ترین محرک پیدا کرنا جو خدا خوفی اور خود احتسابی سے عبارت ہے اور جس کی وجہ سے ان افراد سے تشکیل پانے والا معاشرہ ہر قسم کی دنیوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہوتا ہے اس کے لئے مستقل اداروں اور رجال کار کی ضرورت تھی جو پورے طور پر شریعت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں اور پھر وہ نبوی منہج پر افراد کی تربیت سازی کا نظام قائم کریں۔ پس یہ وہ سارا پسِ منظر تھا جس کی وجہ سے خیر القرون کے بعد کے ادوار میں دینی احکام کی مذکورہ بالا تین قسموں کی بنیاد پر علماء و فقہاءِ وقت نے تین الگ الگ شعبے تشکیل دے کر دین کی حفاظت و بقا اور اشاعت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔

پہلا شعبہ عقائد

کچھ حضرات نے عقائد اور ایمانیات کے شعبے کو لیا اور قرآن و سنت کے نصوص جو اس باب میں ہیں ان کو منقح و مرتب کیا، اسلامی عقائد کے اصول ان نصوص کی روشنی میں مرتب کئے اور پھر شاخ در شاخ اس کی فروعات جمع کیں اور صحابہ کے آخری دور سے ہی امت میں جو مختلف گمراہ فرقوں نے جنم لینا شروع کیا تھا اور صحابہ کے طریقے سے ہٹ گئے تھے ان کے اعتقادات اور شبہات کا جائزہ لیا اور ان کے بہکنے اور بھٹکنے کے اسباب کی تحقیق کی اور پھر قرآن و حدیث کے دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان کی گمراہی کو واضح کیا اور امت کو ان کے فریب میں آنے اور ان کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات سے بچانے کا انتظام کیا، یہ حضرات علماءِ متکلمین کہلائے، انہوں نے علم العقائد والکلام کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دی

اوران کی دماغ سوزیوں اورمحنتوں سے علم الکلام پر مشتمل وسیع اسلامی کتب خانہ وجود میں آیا،اہلِ سنت والجماعت میں متکلمینِ اسلام کے دوسلسلے معروف ہیں،ایک اشعریہ جس کے بانی شیخ ابوالحسن اشعری شافعی رحمہ اللہ ہیں،دوسرے ماتریدیہ جس کے بانی شیخ ابومنصور ماتریدی حنفی رحمہ اللہ ہیں،اہلِ سنت کے عقائدکی تفصیلات سے ان بزرگوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں،انہوں نے ایسے نازک وقت میں امت کی رہنمائی اوران کے عقائدکی حفاظت کا کام سرانجام دیاجب معتزلہ،روافض،خوارج،باطنیین،ملحدین،جھمیہ قدریہ،جبریہ وغیرہ گمراہ فرقے اورفلاسفہ یونان کے متبع بعض اسلامی فلاسفرمسلمان معاشرے میں درآئے تھے اوراپنے فاسدنظریات اورنفسانیت ومبالغہ آمیزی پرمبنی خیالات ورجحانات سے امت کو بگاڑ کے راستے پرڈالنے کے لئے کوشاں تھے۔

دوسرا شعبہ فقہی عملی احکام

دوسرا شعبہ زندگی کے عملی احکام کا ہے،جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا کہ نئے نئے تمدن اورمعاشرے کثرت سے اسلام کی عملداری میں آ گئےجن کی زندگی عربوں کی طرح سادہ اور بالکل ابتدائی فطری طریقوں پر نہ تھی بلکہ زندگی کے مختلف میدانوں میں اس وقت کے لحاظ سے وہ بہت ترقی یافتہ تھے،حکومت،سیاست، معاشرت،اقتصادیات،فنون لطیفہ،ادب،آرٹ ان سب میدانوں میں دنیاان کالوہامانتی تھی جیسے کہ فارس اورروم کی قلمرومیں بسنے والی اقوام کا حال تھا،اب ان کواسلامی معاشرت میں رنگنے کے لئے پورے اسلامی تمدن اورمعاشرت کاخاکہ ان کے سامنے رکھنا اورجوچیزیں خودان کے تمدن میں ایسی تھیں کہ شریعت کے اصولوں سے ان کاجواز ثابت ہو یامعمولی اصلاح سے ان کے تمدن وثقافت کی بہت سی مفید چیزوں کواسلامی بنایاجاسکتا ہوتو یہ بہت بڑا کام کامیدان تھااوروقت کاچیلنج تھااس چیلنج سے عہدہ براہونے کے لئے اجتہاد واستنباط کی صلاحیت کے مالک قرآن وسنت کے گہرے علم کے حامل علماء وفقہاء کی ضرورت تھی سواس قابلیت کےلوگ اس میدان میں اتر آئے،اورفقہی مذاہب کی شکل میں اسلامی عملی زندگی کاپوراایک دستواورمرقع امت کے سامنے رکھ دیا،چونکہ اسلامی معاشرت کے حوالے سے نئے معاشروں کواسلام کے رنگ میں پوراپورارنگنے کے لئے اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اس لئے پیاسی امت اس چشمہ صافی پرٹوٹ پڑی اورتھوڑے ہی عرصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ امت کی غالب اکثریت چارفقہی مذاہب سے روشنی لے کرزندگی کی اسلامی شاہراہ پرگامزن ہوگئی۔

تیسرا شعبہ باطنی احکام

اس شعبے کے تحت اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ یہ لاکھوں کروڑوں لوگ جو دینِ اسلام کی روشنی میں آ گئے اور ہدایت پا گئے اور عقائد کے باب میں بھی ان کی پوری شرعی رہنمائی کا انتظام ہو گیا، نیز عملی زندگی کے احکام میں بھی فقہی مسائل کی تدوین کی صورت میں ان کی رہنمائی کا انتظام ہو گیا اور اسلامی سلطنت موجود ہونے کی وجہ سے سارا ماحول اور سارے ادارے اسلامیت کے رنگ میں ہی رنگے ہوئے ہیں تو اب کمی صرف اس چیز کی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر بھی محنت کر کے ان کے دلوں کو اچھے اخلاق اور قلبی صفات سے مزین کیا جائے اور برے اخلاق اور رذائل سے ان کے قلوب اور ان کے نفوس کو پاک کر دیا جائے، اور درحقیقت ایمان کے بعد یہی چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، تمام آسمانی شریعتوں میں انبیاء علیہم السلام اپنے متبعین کی (یعنی جو ان پر ایمان لا چکے) اسی انداز میں تربیت کرتے رہے ہیں کہ ان کے دلوں کو مجلّٰی و مصفّٰی کرتے رہے، حضور ﷺ کے بھی فرضِ منصبی کا یہ اہم حصہ تھا جیسے کہ ارشاد ہے:

اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ(سورۃ النساء آیت ۱٦۴)

کہ لوگ تلاوتِ آیات کے نتیجے میں جب ایمان لے آئیں تو اگلا عمل پھر ان کے دلوں کی تطہیر اور تزکیہ کا ہے اور پھر کتاب وسنت کی تعلیمات سے اس روشن دل کو زندگی کی شاہراہ پر استوار کرنے کا عمل ہے، اور نبی علیہ السلام نے صحابہ کی جو تربیت فرمائی وہ اس آیت کی رہنمائی کے مطابق فرمائی، اب اتنے لوگ جب ایک دم اسلام میں داخل ہوئے تو ضرورت تھی کہ اس طرح باطنی صفائی کرنے اور قلوب ونفوس کی اصلاح کرنے کے لئے مستقل انتظام ہو یہ میدان جن بزرگوں سے سنبھالا وہ مشائخ اور صوفیاء کہلائے اور تربیت کا یہ ادارہ سلوک واحسان اور تصوف کے نام سے معروف ہو گیا۔ اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ علم الکلام والعقائد، علم الفقہ اور علم تصوف شریعت کے تین بنیادی مقاصد اور احکامِ شریعت کی اصل تین قسموں کے اصطلاحی نامی ہیں، قرآن وحدیث میں ان سب کے احکام بغیر تقسیم وتعیین اور عنوان واصطلاح کے مذکور ہیں، انہی بنیادوں پر نبی علیہ السلام نے صحابہ کی تربیت فرمائی اور صحابہ نے بعد والوں کی، لیکن بعد کے ادوار میں مختلف اسباب ووجوہات سے (جن کا اوپر ذکر ہو چکا) ان مقاصدِ شرع کی تقسیم اور الگ الگ تدوین ہوئی اور الگ الگ اصطلاحات ان کے اندر مقرر ہوئیں، اور ان کے الگ الگ شعبے قائم کر کے ہر شعبے کی خدمات وانتظامات کا الگ دائرہ کار وجود میں آیا، تا کہ تقسیمِ کار کے اصول پر آسانی سے ہر شعبے کے مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔ (جاری ہے.........)

پیارے بچّو! مفتی ابوریحان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

دوسروں کی خدمت اور عزّت کیجئے

پیارے بچو! اپنے ماں باپ، رشتہ داروں اور خاص طور پر بہن بھائیوں سے محبت کرنا ایک اچھا بچہ ہونے کی نشانی ہے، ایسا کرنے والے بچے اچھے سمجھے جاتے ہیں، اوران کے ساتھ ماں باپ، رشتہ دار اور بہن بھائی بھی محبت کرتے ہیں۔

لیکن جو بچے اپنے والدین سے، اپنے رشتہ داروں سے اور اپنے بہن بھائیوں سے محبت نہیں کرتے، ان کے ساتھ محبت پیار سے پیش نہیں آتے، اچھے انداز سے بات چیت نہیں کرتے، دوسروں پر غصہ کرتے ہیں، ان سے لڑتے جھگڑتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں، ناک منہ چڑھا کر دوسروں سے ملتے ہیں۔

ایسے بچے بدتمیز، بدتہذیب اور گندے بچے سمجھے جاتے ہیں، ایسے بچوں کی گھر اور باہر کوئی عزت نہیں ہوتی، ایسے بچوں سے دوسروں کو محبت اور ہمدردی نہیں ہوتی، ان سے ملنے جلنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، ان کے اپنے گھر آنے اور اپنے پاس بیٹھنے کو پسند نہیں کیا جاتا، ان کی کوئی ضرورت پوری کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتا، مختصر یہ کہ ایسے بچے اچھے نہیں سمجھے جاتے۔

بچو! اگر تم اچھا بچہ بننا چاہتے ہو تو سب گھر والوں کے ساتھ ادب سے پیش آؤ، ان سے اپنی کوئی خدمت نہ لو بلکہ دوسروں کی خدمت کیا کرو، اگر کسی کی کوئی ضرورت ہو اور تم اس کو پورا کر سکتے ہو تو اسے پوری کر دیا کرو، جب دوسروں سے بات کرو تو اچھے انداز میں محبت کے لہجہ میں بات کرو، جب دوسروں سے ملو تو ان کو سلام کرو، دوسرے کے سلام کرنے یا کسی کے سلام کرنے کا انتظار نہ کرو، اور دوسرے کا حال چال معلوم کرو، چھوٹے چھوٹے کام خود کیا کرو، جیسے پانی پینا ہو تو کسی دوسرے سے پانی لانے کا نہ کہو جب خود اٹھ کر پانی پی سکتے ہو تو خود اٹھ کر پانی پی لیا کرو، جب کھانا دسترخوان پر لگا کرے تو دسترخوان تک کھانا اور دوسری چیزیں لانے میں دوسروں کی مدد کر دیا کرو، برتن وغیرہ لا کر رکھ دیا کرو، اگر کھانا کھاتے وقت پانی پینے لینے کی ضرورت پڑے تو خود کٹورے، گلاس میں پانی ڈال کر پی لیا کرو، کسی دوسرے سے پانی مت مانگا کرو، ہاں اگر پانی کا برتن قریب میں نہ ہو تو دوسرے سے ادب کے ساتھ کہہ دیا کرو۔

Idara Ghufran

اسی طرح اگر کھانا کھاتے وقت سالن وغیرہ کی ضرورت پیش آئے اور تم خود سالن لے سکتے ہو تو دوسرے سے مدد مت مانگو، خود آرام اور سلیقہ سے سالن اپنے برتن میں ڈال لیا کرو، اگر باورچی خانہ سے یا جہاں بھی برتن وغیرہ رکھے ہوئے ہوں کسی برتن یا چمچے وغیرہ کی ضرورت پڑے تو خود اٹھ کر وہاں سے برتن چمچہ وغیرہ جس چیز کی ضرورت ہو لے کر آجایا کرو، کسی دوسرے سے مت کہا کرو، ہاں اگر تم خود وہ چیزیں نہیں لا سکتے یا وہاں سے نہیں اٹھا سکتے تو دوسرے سے محبت کے ساتھ کہہ دیا کرو کہ فلاں جگہ میرا ہاتھ نہیں پہنچتا، یا فلاں مجبوری کی وجہ سے میں یہ کام نہیں کرسکتا، اس لئے آپ مہربانی کر کے فلاں کام کر دو۔

اسی طرح اگر گھر والے تم سے کوئی چیز گھر سے باہر سے منگوانا چاہیں تو وہ چیز لا کر دے دیا کرو، اور خریداری کرنے کے بعد جو پیسے بچیں وہ بغیر کہے گھر والوں کو واپس کر دیا کرو، چھپا کر نہ رکھا کرو، تم سے جو کام کرنے کے لئے کہا جائے اس کام کو کرنے کا دوسرے کو مت کہا کرو، بلکہ خود ہی اس کام کو کر دیا کرو، اور اس طرح کی باتیں نہ کیا کرو کہ تمہارے ابو یا امی تم سے ہی کام کرانے کو کیوں کہتے ہیں، دوسرے بہن بھائیوں کو کیوں نہیں کہتے، ایسی باتیں کرنا اچھا بچہ ہونے کی نشانی نہیں ہے۔

اپنے بہن بھائیوں کو بے ادبی اور غصہ کے ساتھ نہ پکارا کرو، ادب کے الفاظ بول کر دوسرے سے بات کیا کرو، تو تڑاک کرنے سے بچا کرو۔

ہمیشہ دوسروں کی خدمت کرنے کی کوشش کیا کرو، خدمت کرنے میں راحت اور عزت ہے، دوسروں سے خدمت لینے میں نہیں ہے۔

اگر گھر کوئی چیز آئے تو سب سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کیا کرو، دوسرے بہن بھائیوں کے حصہ کا بھی خیال رکھا کرو، اپنی امی، ابو پر یہ اعتراض نہ کیا کرو کہ فلاں بہن یا بھائی کو اتنی زیادہ چیز دی گئی ہے اور مجھے تھوڑی دی گئی ہے۔

تمہارے ماں باپ تم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس کو کتنی چیز دینا چاہئے اور کس کو کتنی، کس کا کتنا حق بنتا ہے اور کس کا کتنا، ابھی تمہیں یہ باتیں سمجھ نہیں آتیں، بڑے ہو کر اچھی طرح سمجھ آنے لگیں گی، اس لئے تمہارے امی، ابو تمہارے ساتھ جو برتاؤ کریں اور جو کچھ تمہیں کہیں اور جو چیز جتنی تمہیں دیں، تم اس کو اپنے لئے اچھا سمجھا کرو، اور ان کی باتوں پر اعتراض نہ کیا کرو۔

بزمِ خواتین مفتی محمد رضوان

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواتین سے چند اہم خطاب (آخری قسط)

خواتین کا عقل مَند مَردوں پر غالب آنا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ترتیب کے اعتبار سے خواتین کے پانچویں اور اختیاری ہونے کے اعتبار سے تیسرے عیب یعنی عقل مند مردوں پر غالب آنے کے مرض کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیسرا عیب (عورتوں میں) بڑے ہوشیار مرد کو بے عقل کر دینا (ہے) چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ (عورتیں) ایسی اتار چڑھاؤ کی باتیں کرتی ہیں کہ اچھے خاصے عقل مند بے عقل ہوجاتے ہیں۔ ان کی باتوں اور لہجہ میں پیدائشی ایسا اثر رکھا گیا ہے کہ خواہ مخواہ مَرد پر اس سے اثر پڑتا ہے، اور اس کی یہ وجہ نہیں کہ یہ عقل میں مردوں سے زیادہ ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکر اور چالاکی دوسری چیز ہے (عورتوں میں مکر اور چالاکی مَردوں سے زیادہ ہوتی ہے، عقل اور چیز ہے اور مکر اور چالاکی دُوسری چیز ہے) شیطان میں مکر اور چالاکی تھی عقل نہ تھی، اس واسطے دھوکہ کھایا جبکہ حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سجدہ نہ کیا اور یہ کہہ گزرا کہ (خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے .... اس سے معلوم ہوگیا کہ اس میں عقل نہ تھی ہاں چالاکی اور مکرّ میں بے شک بے مثل ہے۔

اس پر ایک میاں جی کی حکایت یاد آئی کہ ان کے پاس کہیں سے بتاشے آئے، انہوں نے ایک مٹی کے بدھنے (گھڑے) میں آٹا لگا کر بند کر کے رکھ دیے تاکہ کوئی لڑکا نہ کھا جاوے۔ لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہیے کہ بدھنے کا منہ بھی نہ کُھلے، تاکہ راز ظاہر نہ ہو اور بتاشے بھی وصول ہوجائیں، سوچتے سوچتے ایک تدبیر نکالی کہ پانی لاکر ٹونٹی کی راہ سے اس میں بھرا، اور شربت گھول کر پی گئے تو یہاں یہ نہ کہا جاوے گا کہ یہ لڑکے بڑے

Idara Ghufran

عاقل تھے بلکہ یوں کہا جاوے گا، کہ بڑے شریر اور چالاک ومکار تھے، کیونکہ عقل تو اس بات کو چاہتی ہے کہ اپنے استاد کی خدمت اور تابعداری کی جاوے، نہ اور اُلٹا نقصان پہنچایا جاوے (کیونکہ) عقل کے اصل معنیٰ ہیں بند کرنے کے، پس عقل وہی ہے جو بُرائیوں سے بند رکھے ورنہ بندر بہت عجیب عجیب کام کرتے ہیں مگر اس سے بندر کو عقل مند نہ کہا جاوے گا بلکہ مکار اور نقال کہیں گے۔

غرض عقل اور چیز ہے اور چالاکی اور مکر اور چیز ہے، عقل ضروری چیز ہے اور اُس کا نہ ہونا بُرا، اور چالاکی بُری چیز ہے اور اس کا نہ ہونا اچھا، چنانچہ شریعت میں یہ بات پسند نہیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچائے کیونکہ یہ مکر ہے۔ اسی طرح یہ بھی کمال نہیں کہ اپنے کو نقصان سے نہ بچائے کہ یہ کم عقلی ہے، حدیث میں ہے کہ۔

(لاَ یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَیْنِ)

مسلمان ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان کو کسی جگہ نقصان پہنچے تو اس کی شان یہ نہیں ہے کہ پھر وہاں جائے یا کسی سے نقصان پہنچا تو یہ مناسب نہیں کہ پھر اس سے معاملہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے اتنی ہوشیاری (بیدار مغزی) کمال کی بات ہے کہ اپنے کو نقصان سے بچائے اسی واسطے دین کو نفع ہمیشہ عقل مندوں سے ہی ہوا ہے۔ جتنے بھی نبی اور جتنے پیشوا دین کے ہوئے ہیں سب بڑے عقل مند تھے، کسی نبی کی ایسی حکایت نہ سُنی ہوگی کہ وہ بھولے ہوں، دنیا کی ان کو کچھ خبر نہ ہو۔ ہاں چالاک اور مکار نہ تھے، عقل منداور ہوشیار تھے اور عقل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

عورتوں میں چالاکی اور مکر ہے عقل نہیں، اس چالاکی اور مکر کی وجہ سے ہوشیار کو بے عقل بنا دیتی ہیں، چنانچہ تنہائی میں ایسی ایسی باتیں کرتی ہیں جس سے خاوند (شوہر) کا دل اپنی طرف ہو جائے اور سب سے چھوٹ جاوے۔ بیاہ کے بعد گھر آتے ہی سب سے اول کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ خاوند (شوہر) ماں باپ سے چُھوٹ جائے، یہ بڑے ستم (ظلم) کی بات ہے کہ جس ماں باپ نے مشقتیں اُٹھا کر اس کے خاوند کو پالا اور اپنا خُونِ جگر پلایا، خود تکلیف میں

رہی اس کو آرام سے رکھا، اس کے تمام نازنخرے اُٹھائے (بَرداشت کئے) اور جس باپ نے دھوپوں کی تکلیف اُٹھائی اور اولاد کے لئے گھر چھوڑا محنت کرکے ان کو پالا، آج ان کی خِدمتوں کا یہ انعام (صِلہ) دیا جاتا ہے کہ ان سے چُھڑایا جاتا ہے، **لاحول ولاقوۃ**۔

پھر اگر یہ ہُنر (منتر) ان کا چل گیا تو اس پر بھی بس (اکتفا) نہیں کرتیں، کہتی ہیں کہ تم تو الگ ہو گئے مگر تمہاری کمائی تو ان کے پاس جا رہی ہے، کبھی ماں کو جوتا لا دیا، کبھی نقد کچھ دے دیا، غرضیکہ کوشش کر کے دینا دِلانا بھی چُھڑاتی ہیں، پھر اس پر بھی صبر نہیں آتا، اس کے بھائی بہن سے چُھڑاتی ہیں اور اگر پہلی بیوی سے اولاد ہو، اُن سے بھی چُھڑاتی ہیں، غرض رات دن (شب وروز) اسی فِکر میں گزرتا ہے اور یہی رات دن کوشش ہوتی ہے کہ سِوائے میرے اور میری اولاد کے کوئی نہ ہو اور انہیں (یعنی عورتوں) کی بدولت بہت سے گھروں میں بلکہ بہت سے خاندانوں میں نااتفاقی ہو جاتی ہے۔

اور مَردوں میں یہ بے احتیاطی ہے کہ ان کی باتیں سُنتے ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں اور اس ناشکری اور ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے کی دو وجہ ہیں، اول تو یہ کہ ان کو خاوند کی برابری (مساوات) کا گُمان ہوتا ہے کہ ہم اس سے کیا کُچھ کم ہیں، چنانچہ یہاں تک کوشش ہوتی ہے کہ بحثا بحثی میں بھی شوہر پر ہم غالب رہیں، جو بات خاوند (شوہر) کہتا ہے اُس کا جواب ان کے پاس تیار رہتا ہے، کوئی بات بے جواب نہ چھوڑیں گی خواہ ناگوار یا گوار ہو، خواہ معقول ہو یا نامعقول ہو اور ناشکری اکثر اسی برابری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے (تسہیل المواعظ ج ا ص ۶۲۷ تا ۶۳۰ کذا فی خطبات حکیم الامت ج ۲۰ بعنوان حقوق الزوجین ص ۱۸۶ و ۱۸۹ وعظ الکمال فی الدین)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''عورتوں کو چاہیے کہ خاوند (شوہر) کی اطاعت کیا کریں اس کا دل نہ دکھایا کریں۔

آج کل عورتیں اس کا ذرا بھی خیال نہیں کرتیں، وہ باہر سے تو تمام دن محنت اور مشقت اٹھا کر گھر میں آرام کے واسطے آتا ہے یہاں ایک محنت بیگم اس غریب کو ستانے کو موجود ہیں۔ کوئی بات نصیحت کی کہی تو ایک طعن (یا کوئی سخت کلمہ) انہوں نے بے چارہ پر کھینچ مارا (کس دیا) اور اگر (شوہر) کچھ تیز ہوا تو فرماتی ہیں کہ میں کسی کی لونڈی، باندی تو ہوں نہیں، جو مجھ

کوایسا ایسا کہتے ہو۔

خدا کے لئے خاوند (شوہر) کا دل نہ دکھایا کرو۔اس سے کوئی گراں (بڑی) فرمائش نہ کیا کرو۔

اس کی کسی بات کو رد نہ کیا کرو (یعنی نافرمانی نہ کیا کرو)

مگر آج کل عورتوں کی یہ حالت ہے کہ یوں چاہتی ہیں کہ خاوند (شوہر) ہمارا غلام رہے بس رات دن ہماری ہی عبادت کیا کرے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِ نْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنَ

(میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے)

لیکن عورتوں کا مشرب (طور طریقہ) یہ ہے کہ **وماخلق الازواج الالیطیعون** (شوہروں کو صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے تا کہ ہماری اطاعت کریں) (وعظ الخضوع ص ۲۷،۲۸، مطبوعہ دفتر الابقاء کراچی وخطبات حکیم الامت ج ۷ بعنوان حقیقتِ عبادت ص ۲۵۸)

گذشتہ احادیث میں حضور ﷺ نے عورتوں میں مال کی محبت ہونے اور اپنے زیوروں کی زکوٰۃ نہ دینے کی نشاندہی فرمائی ہے، لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ وہ مال اور خاص طور پر زیور کی بے جا محبت دل میں نہ رکھا کریں، اور زکوٰۃ وصدقات کا اہتمام کیا کریں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”زکوٰۃ میں بھی عورتیں بہت سُستی کرتی ہیں کہ اپنے زیوروں، لچکوں کی زکاۃ نہیں دیتیں۔ یاد رکھو! جتنا زیور عورت کو جہیز میں ملتا ہے وہ اس کی مِلک ہے، اس کی زکاۃ دینا اس پر واجب ہے، اور جو زیور شوہر کے گھر سے ملتا ہے اگر وہ اس نے اِن کی مِلک کر دیا ہے تو اس کی زکاۃ بھی اُن پر واجب ہے اور اگر مِلک نہیں کیا محض پہننے کے واسطے دیا ہے تو اس کی زکاۃ مردوں کے ذمہ واجب ہے۔ ہر سال اپنے زیور کا حساب کر کے جتنی زکاۃ اپنے ذمہ ہو فوراً ادا کر دینی چاہئے، اس میں سُستی کرنے سے گناہ ہوتا ہے“ (خطبات حکیم الامت ج ۲۰ بعنوان حقوق الزوجین ص ۱۰۷ وعظ الکمال فی الدین)

بعض خواتین سمجھتی ہیں کہ سونا، چاندی اگر استعمالی ہو تو اس پر زکوٰۃ یا قربانی لازم نہیں خواہ کتنا زیادہ ہو اور اگر استعمالی نہ ہو تو لازم ہے یہ سراسر غلط فہمی ہے۔

خواتین میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہوتو کسی حال میں زکوٰۃ واجب نہیں، حالانکہ وزن کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی ملکیت میں صرف سونا یا صرف چاندی ہو، تجارت کا سامان ذرا سا بھی نہ ہو، نقدی ایک پیسہ بھی نہ ہو (اور آج کل کچھ نہ کچھ نقدی ہوتی ہی ہے) اور اگر کسی مرد یا عورت کی ملکیت میں دو یا زیادہ طرح کی چیزیں ہوں تو ہر ایک کا علیٰحدہ نصاب پورا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں سب کی مالیت (ویلیو) ملا کر دیکھی جائے گی، اگر سب کی مالیت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے چنانچہ خواتین کے پاس کئی کئی تولے سونا ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ نقدی بھی ضرور ہوتی ہے مگر وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتیں، اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

بعض خواتین پر زکوٰۃ یا قربانی واجب ہوتی ہے اس کے باوجود یہ سمجھتی ہیں کہ ہماری زکوٰۃ یا قربانی ہمارے شوہروں کے ذمہ لازم ہے اور اگر ان کے شوہر ادا نہ کریں تو وہ خود بھی ادا نہیں کرتیں جب کہ عورت کے مال اور زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ یا قربانی ان کے شوہروں پر لازم نہیں۔ بلکہ ان پر خود اپنے مال سے لازم ہے۔ خواہ اس کے لئے زیور وغیرہ کیوں نہ بیچنا پڑے۔ البتہ اگر کسی عورت کا شوہر اپنی رقم سے اس کی طرف سے زکوٰۃ یا قربانی ادا کر دے تو جائز ہے (جبکہ بیوی کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہو)

بعض اوقات زیور کی زکوٰۃ نہ خواتین ادا کرتی ہیں اور نہ مرد، مرد سمجھتا یا کہہ دیتا ہے کہ زیور عورت کا ہے اور عورت سمجھتی یا کہہ دیتی ہے کہ زیور مرد کا ہے، مگر اس بہانہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بچت نہیں ہوسکتی، پس زیور جس کی ملکیت ہے اسی کے ذمہ زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تحصیل ٹیری ضلع کوہاٹ کے جاگیردارانہ نظام کی شرعی حیثیت

سوال:...... تحصیل ٹیری ضلع کوہاٹ کے اراضی کی قانونی نوعیت یہ ہے کہ جو قبیلے کے بڑے اور خوانین لوگ ہیں ان کو تو سرکاری کاغذات میں ''مالک'' کے لفظ کے ساتھ لکھتے ہیں اور جو لوگ موقعہ پر باپ دادے کے زمانے سے قابض اور متصرف ہیں، ان کو ''دخیل کار دفعہ ۵(ا) الف 1886'' کے الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس تحصیل کے اراضی کے شرعی مالک خوانین بنتے ہیں یا دخیل کار لوگ، یہ فیصلہ کرنے کے لئے خوانین کے ''مالک'' کا عنوان حاصل کرنے کے ابتدائی واقعات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ فریقین میں سے ہر فریق کے حقیقی شرعی مالک ہونے کا مدار پٹواری کے کاغذات پر نہیں ہے، بلکہ خوانین کو ابتداء میں مالک لکھنے کے وجوہات اور دخیل کار کو مالک نہ لکھنے کے وجوہات معلوم ہونے پر ہے، کہ خوانین کے اجداد کس نوعیت کے ساتھ مالک لکھنے شروع ہوگئے ہیں اور دخیل کاروں کے اجداد کن وجوہات کی بنا پر دخیل کار لکھنے شروع ہوگئے ہیں، ان دو باتوں کو معلوم کرنے کے لئے دو کاموں کی ضرورت تھی، ایک کام تو یہ کہ نوابوں کے زمینوں پر ابتداء میں مسلط ہونے کے تاریخی واقعات کا مطالعہ، اور دوسرا کام ٹیننسی ایکٹ دفعہ ۵ کی تشریح۔

تاریخی مطالعہ

(۱) تاریخِ کوہاٹ (۲) اسلام کا نظامِ اراضی مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (۳) کوہاٹ تاریخ کے آئینہ میں۔ مندرجہ بالا کتابوں کو دیکھنے سے (۴) ثقہ لوگوں کی روایات سننے سے (۵) اور تحصیل ٹیری کی زمینوں کے ظاہری معاملات جو خوانین اور زمینداروں کے درمیان چلے آرہے ہیں اور علاقے کے رواجات کی روشنی میں کچھ پتہ چلتا ہے کہ خوانین کس طرح مالک ہوگئے۔

خوانین کو قانونی طور پر مالک کا عنوان حاصل ہونے کی وجوہات

ان پانچ باتوں میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ خوانین کے اجداد نے کسی بھی زمانے میں اس علاقے کی بنجر زمینوں کو آباد نہیں کیا اور نہ کسی سے یہ زمینیں خریدی ہیں، پھر کسی طرح مالک ہوگئے؟

جب انگریز آیا تو سکھوں کے مقابلے کے لئے دو بڑے قبیلے بنگش اور خٹک کے سرداروں کو اپنے ساتھ لینے

کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، انگریز کے پاس افرادوالی قوت بالکل نہ تھی یہی قبیلے کے سردارلوگ انگریزوں کی پولیس بھی تھے اورفوج بھی، خٹک قبیلے کے بہادروں نے سکھوں کے مقابلے میں انگریز حکومت کو مستحکم بنایا اب اس خدمت کو انجام دینے کے لئے دوچیزوں کی ضرورت تھی ایک تو قبیلے کے سرداروں کے پاس ظاہری شان وشوکت اورقوت ہونا چاہئے، دوسرے ان خدمات کے لئے اخراجات مہیا ہونے چاہئیں۔
یہ دونوں ضرورتیں انہی مقامی لوگوں سے پوری کرنے کی ضرورت تھی، توبوجہ خدمتِ انگریز اورسرکار کی خوشنودی کے قبیلے کے سرداروں کوانگریزوں کی حکومت کی طرف سے نوابی کا خطاب حاصل ہوا، اورکاغذی کارروائی میں یہاں کے اراضی کا بہ بناءِ ساکت حقوق، صرف اعزازی طور پر قبیلے کے سرداروں کواراضی بطورِ جاگیردی اس کے بعد ان زمینوں کا مالک قرار دیا گیا، خواہ وہ بنجر زمین یا پہاڑ ہوں یا کسی کے زیرِ کاشت اوراس کی ملکیتی زمین ہو۔ انگریز حکومت اورنوابی ایک ملی جلی قوت بن گئی، غریب طبقہ ان کا دست نگر تھا، مہتممینِ بندوبست پٹواری تحصیلدار وغیرہ ان ہی کے ماتحت تھے، واجب العرض مسل حقیت جمعبندی وغیرہ کے دستاویز سب ان ہی کے منشاء کے مطابق تیار ہوتے تھے، جاگیرداری نظام کے ذریعہ زمینوں کے سابق قابض اورمتصرف لوگوں کے ذمہ زمین سے حاصل شدہ فصل کا پانچواں حصہ جاگیرداروں کواس وجہ سے دیا جانا قرار پایا تھا کہ حکومت کا منظورِ نظر اور بالادست طبقہ کسی محنت کے بغیر معاوضہ حاصل کرتا رہے اورانگریز سرکار کی بالادستی کے لئے حکومت کے سپردکردہ کام آسانی کے ساتھ ادا کرتا رہے۔
چنانچہ یہ طبقہ سرکاری مالیہ اورلگان زمینداروں سے اپنے زورِ بازو کے ساتھ وصول کرتا تھا، وصول کرنے والوں کونمبردار، فوطی دار اوریافتی وغیرہ کے عہدے اب بھی پٹواری کے کاغذوں میں موجود ہیں، انگریزوں نے ٹیری تحصیل نواب کو ۱۸ ہزار روپے سالانہ اجارہ پردے رکھی تھی (تاریخِ کوہاٹ ص ۵۵)
1886ء سے قبل زمینوں کی کاشتکاری اورملکیت وغیرہ کا نوابی نظام چل رہا تھا، 1886ء میں اس کو یکسر منسوخ قرار دے کرتلف اورضائع کردیا گیا، چنانچہ اس کا اب نام ونشان بھی نہیں ملتا، 1886ء سے ان ہی سرداروں کی نگرانی میں انگریزی حکومت میں نئے بندوبست کی ابتداء ہوئی۔
اس بندوبست میں زمینوں کی پیائش خسروں کھتونی کی تقسیم میں خوانین کے نام باقاعدہ ملکیت کے خانہ میں لکھنا شروع ہوئے اورقابضین کا کاشتکاری کے خانے میں دخیل کار کے لفظ سے اندراج ہوا (ملاحظہ ہوواجب العرض 1886ء موضع چنڈہ خورم دفعہ نمبر ۴) یہ ہوئی خوانین کو مالک کا عنوان حاصل ہونے کی وجوہات۔

قابضین ومتصرفین کے دخیل کار ہونے کی وجوہات

اب اس علاقے کے سابق قابض اور متصرف لوگ جن کا نام کاشتکار کے خانے میں لکھا جاتا تھا، ان کے بولتے ہوئے حقوق کو خانہ ملکیت میں لکھے ہوئے مالکوں کی ملکیت بننے سے حفاظت کے لئے ایک قانون نافذ کیا گیا، اس کا نام ہے **"ٹیننسی ایکٹ دفعہ ۵ (ا) ضمن الف 1886ء"** اور ان کے لئے **"دخیل کار"** کی اصطلاح وضع ہوئی، اب کاشتکاری کی تو کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم دفعہ ۵ بھی ہے اور دفعہ ۶ وغیرہ بھی۔

دخیل کاری دفعہ ۵ کی شرح

تحصیل ٹیری کے قابضین جو آباء واجداد سے زمینوں میں متصرف رہے، خوانین کے مقابلے میں ان کے لئے انگریزی قانون میں دخیل کار کی اصطلاح وضع ہوئی دخیل کار کے قبضے کی یہی نوعیت پٹواری کے کاغذات میں ابتدائی بندوبست 1886ء سے 1952ء تک برابر چلی آرہی ہے۔

اس دفعہ ۵ کی شرح یہ ہے کہ جو آدمی سابق قابض بندوبست کے وقت میں دو پشتوں سے قابض ومتصرف تھا، یا وہ اپنی زمین پر ۳۰ سال سے قابض ومتصرف تھا وہ دخیل کار ہے، ایسے کاشتکار قابض کو وہ سب حقوق حاصل ہیں جو ایک مالک کو ہو سکتے ہیں جیسے بیع، ھبہ، وراثت۔

1886ء کا بندوبست 1952ء تک اسی طرح نسلاً بعد نسل چلتا رہا، 1952ء میں صوبائی حکومت قیوم خان نے دخیل کار کو مالک قرار دیا اور خوانین کو پیداوار میں سے پانچویں حصے کی بجائے زمین کے پانچویں حصے کا مالک قرار دیا، اب دخیل کار کا نام خانہ ملکیت میں لکھنا شروع ہوا، اس پر خوانین کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوا، اب خوانین اپنی جگہ خوش ہیں اور زمیندار اپنی جگہ پر خوش ہیں، یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ اراضی کو خوانین نے کسی بھی زمانے میں کاشت نہیں کیا۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ 1952ء سے قبل جب دخیل کاری کا نظام تھا اس میں زمینوں کے حقیقی اور شرعی مالک خوانین تھے یا زمیندار و دخیل کار لوگ؟ مفصل و مدلل جواب درکار ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں علماء کی آراء مختلف ہو رہی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: ...... سوال کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب اور خوانین کو حکومتِ انگریز کی طرف سے پورے علاقے کی مجموعہ اراضی کا مالک قرار دیا گیا ہے، اور اعطاءِ جاگیر کی مذکورہ صورت علاقے کے

زمینوں کا مالیہ اور لگان وصول کرنے کا مالک بنانا ہے۔

جب 1886ء میں بندوبست شروع ہوگیا تو چونکہ مالیہ اور لگان وصول کرنے کا جو اس وقت نقشہ شروع سے بنا ہوا تھا وہ ایسا تھا جیسا کہ خوانین صرف لگان کے مالک نہیں بلکہ زمینوں کے بھی مالک ہیں اور مہتممینِ بندوبست سرداروں کے نوکروں کی طرح ماتحت تھے اور شرعی طریقے اور اصول بھی سامنے نہ تھے اس لئے ان کے نام کے ساتھ سابق قابضین کی زمینوں کا مالک لکھ دیا اور قابض کو بجائے مالک لکھنے کے دخیل کار کی اصطلاح مقرر کرکے کاشتکار کے خانے میں لکھ دیا،لیکن یہ ایسے کاشتکار نہیں تھے جن کا خوانین کے ساتھ عقدِ مزارعت ہوا ہو،اس لئے ان کو قانونی کاشتکار قرار دیا اور ان کے کاشتکار ہونے کی نوعیت کو دخیل کاری کے ایکٹ دفعہ ۵ میں واضح کردیا جس سے ان کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے،اب یہ ٹیننسی قانون کے دفعہ ۵ والے کاشتکار ہیں نہ کہ عقدِ مزارعت والے،اور دفعہ ۵ کی شرح یہ ہے:

''1886ء کے بندوبست کے وقت جو قابض ومتصرف دو پشتوں سے اس زمین پر قابض ہے یا ۳۰ سال سے وہ زمین اس کے زیرِ تصرف ہے وہ اس زمین کا دخیل کار دفعہ ۵ (ا) الف ہے انتہیٰ، یہ موروثی کاشتکار ہے'' (قانونِ مزارعین ص ۲۵)

دفعہ ۵ کی تشریح سے موروثی کاشتکار کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ زمین موجودہ کاشتکار کو باپ کے ورثے سے ملی ہے اور اس کے باپ کو اس کے دادا سے وراثت میں ملی ہے،اتنی بات تو ایکٹ دفعہ ۵ سے ثابت ہوئی اب دو پشتوں سے اوپر والوں کو مالک ثابت کرنے کی ضرورت نہیں،کیونکہ اس کے لئے استصحابِ حال شاہد ہے کہ اس زمین کے ابتداء احیاءِ موات کرنے والے دخیل کار کے اجداد ہیں نہ کہ جاگیردار وخوانین بلکہ خوانین کا دخیل کاروں کی مقبوضہ زمینوں میں کسی قسم کا تصرف کسی زمانے میں بھی ثابت نہیں ہوا ہے،1886ء سے لے کر 1952ء تک خوانین کی کاشتکاری نہ پٹواری کے کاغذات میں ثابت ہے اور نہ ہی عملاً ثابت ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا کاشتکار شرعی اور حقیقی مالک ہے،اور خوانین اعزازی مالک ہیں یعنی ان کی مالکیت صرف لگان کے پورے اختیارات کے مالک ہونے تک محدود ہے۔

(ملاحظہ ہو واجب العرض 1886ء، چنڈہ خورم دفعہ نمبر ا ضمن شق نمبر ۲)

زمین کے عین کے مالک ہونے تک متجاوز نہیں ہے،اس اعتبار سے ان کے لئے مالک کا لفظ استعمال

کرنا رواجی اور مجازی ہے، پس یہ لوگ اصل میں جاگیردار ہیں، اور جاگیردار کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو دخیل کار کے مقابلے میں ہوتا ہے ''وَالْعِبْرَةُ فِیْ الْعُقُوْدِ لِلْمَعَانِیْ دُوْنَ الا لْفَاظِ''۔ چنانچہ قانون کی دفعہ ۵ میں جہاں دخیل کار کی تشریح لکھی ہے اسی طرح قانون دفعہ ۱۴ میں جاگیردار کی بھی تشریح لکھی ہے وہ یہ ہے کہ:

''ماسوائے سرکاری ملازم کے ہر وہ شخص جس کو کسی بھی زمین کا مالیہ حکومت کی طرف سے کاملاً یا جزواً تفویض کیا گیا ہو، ایسے شخص کو جاگیردار کہا جاتا ہے، ایک اعلیٰ نمبردار اور معافی دار بھی جاگیردار کے زمرے میں آتا ہے'' (قانون مزارعین ص ۱۹)

اور تواریخ میں ہے کہ حکومت انگریز نے ٹیری کے نواب کو ٹیری کی تحصیل ۱۸ ہزار سالانہ اجارہ پر دے رکھی تھی (تاریخ کوہاٹ ص ۵۵)

اب ظاہر ہے کہ اس نوعیت کا جاگیردار شرعی مالک نہیں ہے اور اس نوعیت کا کاشتکار شرعی مالک ہے۔

''وَالْعِبْرَةُ فِیْ الْعُقُوْدِ لِلْمَعَانِیْ دُوْنَ الا لْفَاظِ''

دخیل کار کی زمینوں کے خوانین کو مالک قرار دینے کے لئے اسبابِ ملکیت میں سے کوئی سبب موجود نہیں ہے اور دخیل کار کے شرعی مالک ہونے کے لئے اسبابِ ملکیت میں سے سببِ ملکیت موجود ہے اور وہ ٹینسی ایکٹ دفعہ ۵ کی ذیلی دفعہ ۱ و ۲ کے مطابق وراثت ہے۔

1952ء میں جو دخیل کاری ختم ہوگئی ہے اس سے حکومت کی زمینیں اور شخصی ذاتی زمینیں مستثنیٰ ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں قانونِ مزارعین ص ۲۰۹ پر ٹینسی ایکٹ دفعہ ۱۱۴، ذیلی دفعہ (۱) الف اور دفعہ ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ دخیل کار دفعہ ۵ کی زمین کے خوانین ذاتی مالک نہیں ورنہ ان کی دخیل کاری بھی مستثنیٰ ہوتی بلکہ ان کا مالک ہونا صرف اعزازی طور پر ہے، ایسا مالک شرعی مالک نہیں ہوتا بلکہ قانونی مالک ہوتا ہے اور یہ قانون زمانۂ جاہلیت کا ہے، اور زمانۂ جاہلیت سے ہماری مراد انگریزوں کا زمانہ ہے، پس دخیل کاری بھی اشتراکیت کا تصور ہے، جس میں عین اور منافع دونوں کے دائمی مالک الگ الگ افراد تصور کئے جاتے ہیں یہی جاہلیت کا قانون ہے، اور اسلام کا قانون یہ ہے کہ جو آدمی کسی عین کے جملہ منافع کا دائمی مالک ہو جیسے دخیل کار ۵، وہی اس عین کا بھی مالک ہوتا ہے، نہ کہ کوئی دوسرا۔

اب جو 1952ء میں دخیل کاری کو ختم کر دیا گیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ خوانین کی زمین دخیل کار کو دی گئی

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دخیل کار کا ایک حق تھا وہ یہ کہ جیسے وہ حقیقی مالک ہے اسی طرح اس کا نام کاشتکار کے خانے میں لکھنے کے بجائے ملکیت کے خانے میں لکھا جائے ،تو1952ء میں دخیل کار کو یہ حق لوٹا دیا گیا۔

باقی جو زمینیں حکومت کی ہیں ان کی دخیل کاری اب بھی بحال ہے وہ ختم نہیں ہوئی ہے۔

پس خوانین کی مذکورہ زمینوں کا حقیقی مالک 1952ء سے قبل بھی دخیل کار تھا اور 1952ء کے بعد بھی دخیل کار ہی ہے۔لہٰذا دخیل کار کے زیرِ قبضہ زمین اس کے مرنے کے بعد دخیل کار کا ورثہ اور ترکہ ہے نہ کہ خوانین کا۔واللہ اعلم۔

جاگیردارانہ نظام سے متعلق چند اُصول

اور کیونکہ اس قسم کے سوالات ملک کے مختلف اطراف میں پیش آتے رہتے ہیں اور اس سلسلے میں اہلِ علم حضرات کو بھی کچھ اشکالات رہتے ہیں ،اس لئے اصولی انداز میں جاگیرداری کے مسئلہ کو منقح کرنے کی ضرورت ہے،تاکہ اُن اصولوں کی روشنی میں کسی بھی جاگیرداری کے مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو اس ضرورت کے لئے ذیل میں چند اصول وقواعد تحریر کئے جارہے ہیں۔

(اصل نمبر۱)......انگریزوں کی طرف سے کسی سردار کو جو کسی خاص علاقے مثلاً تحصیل،ضلع وغیرہ کا جاگیردار بنایا جاتا تھا،اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ پورا علاقہ اُس جاگیردار کی ملک کر دیا گیا کیونکہ اس طرح مخلوطہ علاقے عموماً اراضیِ شخصیہ (یعنی لوگوں کی ذاتی ملکیت والی زمینوں)اور اراضیٔ موقوفہ (یعنی وقف شدہ زمینوں)اور اراضیٔ مباحہ (یعنی ایسی زمینوں جن سے بستی کے مشترکہ حقوق متعلق ہوں مثلاً چراہ گاہ)اور اراضیٔ موات (یعنی بنجر زمینوں)پر مشتمل ہوتے تھے اور مذکورہ چاروں قسم کی اراضی شرعاً خود حکومت ہی کی ملک نہیں ہوتیں پھر حکومت کا کسی کو اس قسم کی اراضی کا مالک بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟اراضیٔ موات کی ملکیت کی بنیاد بھی احیاء ہے نہ کہ کسی کی طرف ملکیت کی نسبتِ محض (تفصیل اصل نمبر۴ میں ملاحظہ فرمائیں)اور اگرچہ اراضیٔ سلطانیہ (یعنی بیت المال کی ملکیت والی زمینیں)حکومت کو شرعی اصول وقواعد کے مطابق کسی کی ملکیت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔لیکن چونکہ انگریزی دورِ حکومت میں کسی سردار کو پورے علاقے کا سوال میں مذکورہ طریقے پر جاگیردار بنانے کا مطلب اس کو پورے علاقے کا حقیقی مالک بنانا نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف اُس علاقے کے لوگوں کی زمینوں کا لگان

اورخراج لینے کا حق اُس جاگیردار کوتفویض کیا جاتا تھا، اس لئے اس قسم کے جاگیرداروں کو اراضیٔ سلطانیہ سمیت مندرجہ بالاکسی قسم کی اراضی کا شرعاً حقیقی مالک قرار نہیں دیا جاسکتا (البتہ اگرکسی کے حق میں حکومت کی طرف سے کسی اراضیٔ سلطانیہ کا حقیقی مالک قرار دینا ثابت ہوجائے اوروہ شرعی اصول وقواعد کے مطابق بھی ہوتو ایسا شخص اس اراضیٔ سلطانیہ کا شرعی مالک قرار دیا جاسکتا ہے)

(ملاحظہ ہوعبارات نمبر ۱) (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، اسلام کا نظامِ اراضی ص ۱۹ تا ۳۲، وص ۱۲۳۔ انعام الباری ج ۶ ص ۸ ۵۷ و ۹ ۵۷ وج ۷ ص ۱۵۱ ۔تقریرِ ترمذی ج ۱ ص ۳۴۴)

(اصل نمبر۲)......فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ ’’اَلْعِبرَۃُ فِیْ الْعُقُوْدِ لِلْمَعَانِیْ دُوْنَ الا لْفَاظِ ‘‘ یعنی عقود اور معاملات میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے، نہ کہ ظاہری الفاظ کا، اس قاعدہ پر فقہائے کرام نے کئی مسائل متفرع فرمائے ہیں (ملاحظہ ہوعبارات نمبر ۲)

اس قاعدے کے پیشِ نظر ظاہراً کاغذوں میں کسی کے نام کے ساتھ صرف مالک کے الفاظ لکھنے سے شرعاً اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور حقیقی مالک وہی لوگ شمار ہوتے ہیں جو پہلے سے اِن اراضی پر قابض ومتصرف تھے اور اُن کو مالکانہ حقوق مثلاً خرید وفروخت، ھبہ، میراث وغیرہ کے حقوق حاصل ہیں۔

(اصل نمبر۳)......شریعت میں کسی مال کی ملکیت قائم ہونے کا سبب یا تو ملکیت کا کسی کی طرف سے انتقال ہے جیسے بیع، ہبہ۔ یا خلافت اور جانشینی ہونا ہے جیسے ورثہ یا ملکیت کی ابتداء ہے جیسے اصطیاد اور احیاء موات (جس کی تفصیل نمبر ۴ کے ضمن میں آرہی ہے) لہٰذا اگرکسی کے حق میں ان میں سے کوئی سبب بھی نہ پایا جائے تو پھر اس کی ملکیت شرعاً معتبر نہیں اور وہ ملکیت شرعاً کالعدم ہے۔

(ملاحظہ ہوعبارات نمبر ۳) (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوانعام الباری ج ۶ ص ۵۸۲)

مندرجہ بالا قاعدہ کی روشنی میں واضح ہوا کہ انگریزی دورِ حکومت میں جن لوگوں کو جاگیردار قرار دیا گیا اگر اُن کے حق میں مذکورہ اسبابِ ملکیت میں سے کوئی سبب بھی نہ پایا گیا ہوتو ایسے جاگیردار اُن اراضی کے شرعاً مالک نہیں ہیں اور ان جاگیرداروں کے مقابلے میں جن لوگوں کے حق میں مندرجہ بالا کوئی سبب بھی پایا گیا ہوتو وہی لوگ ان اراضی کے شرعاً مالک ہونگے۔

(اصل نمبر۴)......اگرکسی شخص کوحکومت کی طرف سے بنجر زمین دی جائے تو وہ شخص اس وقت تک مالک نہیں ہوتا، جب تک اس زمین کوتین سال کے اندر اندر آباد نہ کرے، خود یا مزدوروں کے ذریعہ،

اگراس نے ۳سال کے اندراندرایسا کرلیا تووہ مالک ہے اوراگراس زمین کو ویسے ہی پڑے رہنے دیا اگرچہ اس نے تحجیر اورنوتوڑ بھی کرلی ہوتووہ اس کا مالک نہیں ہوگا،اوراگراس نے اس عرصہ میں خود کاشت کاری کرنے یامزدوروں کے ذریعہ اجرت پرکاشت کرانے کے بجائے بنجرحالت میں وہ زمین کسی کاشتکارکومزارعت یابٹائی پردے دی یاکسی دوسرے نے بطورخودکاشت کرلی،توکاشتکاری کرنے والا ہی اس زمین کاشرعاً مالک ہوجائے گا۔

(ملاحظہ ہوعبارات نمبر۴)(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوانعام الباری ج۶ص۶۵۴)

مندرجہ بالاقاعدے کے پیشِ نظرجن جاگیرداروں نے بنجرزمینوں کوخودآبادکیاوہ اتنی زمین کے تومالک ہوگئے اورجنہوں نے بنجرزمینوں کومذکورہ تفصیل کے مطابق آبادنہیں کیا اگرچہ حکومت نے ان کووہ بنجرزمینیں مالکانہ طورپرہی کیوں نہ دی ہوں تب بھی وہ ان اراضی کے شرعاً مالک نہیں بنے، بلکہ شرعاً وہی لوگ مالک ہیں جنہوں نے ان بنجرزمینوں کوآبادکیا،اورجوزمینیں اب تک بنجرحالت میں غیرآبادپڑی ہیں وہ شرعاً کسی کی ملکیت نہیں۔

(اصل نمبر۵)......جس فردیاحکومت نے کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پرناجائزقبضہ کرلیاہویااپنے آپ کوناجائزطریقہ پرمالک تصورکرلیاہووہ مالک کی مرضی کے بغیرکسی بھی صورت میں جائزقرارنہیں پاسکتااوراس کوحقیقی ملکیت کاتقدس کبھی حاصل نہیں ہوسکتا،خواہ اس پرکتنی طویل مدت کیوں نہ گذرگئی ہو۔

(ملاحظہ ہوعبارات نمبر۵)(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوعدالتی فیصلے ج۲ص۲۲۷)

لہٰذاحکومت یاجاگیرداروں کو دوسروں کی مملوکہ اراضی پرحقِ ملکیت حاصل نہیں ہے اورحکومت یاجاگیرداروں کودوسروں کی مملوکہ اراضی کا اپنے کومالک سمجھنایاقراردینایااپنی طرف ملکیت کی نسبت کرنادرست نہیں ہے۔

(اصل نمبر۶)......فقہائے کرام کے نزدیک جوشخص عرصۂ درازسے کسی زمین پرقابض ومتصرف ہو اوروہ اس زمین کومالکانہ طریقے پراستعمال کررہاہوبلکہ میراث درمیراث وہ آگے منتقل ہورہی ہو،غرضیکہ کلی مالکانہ حقوق حاصل ہوں توایسی صورت میں اگرکسی دوسرے شخص کی طرف سے اس پراپنی ملکیت کادعویٰ ہوتوملکیت کاثبوت اس مدعی کی ذمہ داری ہے،قابض ومتصرف کی نہیں۔

(ملاحظہ ہوعبارات نمبر۶)(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوعدالتی فیصلے ج۲ص۲۲۹)

فقہائے کرام نے یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ اس طرح عرصۂ دراز گذر جانے کے بعد کسی دوسرے ایسے شخص کا ملکیتی دعویٰ قانوناً قابلِ سماعت ہی نہیں رہتا جس کو قابض کے ان تصرفات کا علم بھی ہو اور وہ بغیر معقول عذر کے عرصۂ دراز تک خاموش رہے۔

(ملاحظہ ہو عبارات نمبر ۶)(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عدالتی فیصلے ج ۲ ص ۲۲۴)

اس قاعدے کے پیشِ نظر جو لوگ اپنی زیرِ قبضہ اراضی پر عرصۂ دراز سے متصرف تھے اور جاگیرداروں کو جو کسی بھی لقب سے موسوم ہوں اس کا علم ہونے کے باوجود اُن لوگوں کے قبضے وتصرفات پر نہ صرف یہ کہ کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ جاگیردار اصحابِ قبضہ کے ان تصرفات پر قولاً وفعلاً راضی بلکہ ان کے شریکِ کار تھے، ایسی صورت میں جاگیرداروں کی طرف سے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا قانوناً قابلِ سماعت نہیں رہتا

العبارات

﴿۱﴾......الکلام فی موضعین فی بیان انواع الاراضی وفی بیان حکم کل نوع منها.

(اما)الاول فالاراضی فی الاصل نوعان ارض مملوکة وارض مباحة غیرمملوکة والمملوکة نوعان عامرة وخراب والمباحة نوعان ایضاً نوع هومن مرافق البلدة محتطبا لهم ومرعی لمواشیهم ونوع لیس من مرافقها وهو المسمیٰ بالموات.

(اما)بیان حکم کل نوع منها.

(اما)الاراضی مملوکة العامرة فلیس لاحد ان یتصرف فیها من غیراذن صاحبها لان عصمة الملک یمنع من ذالک ،وکذالک الارض الخراب الذی انقطع ماء ها ومضی علی ذالک سنون لان الملک فیها قائم وان طال الزمان ،حتی یجوز بیعها وهبتها واجارتها وتصیر میراثا اذامات صاحبها......(البدائع الصنائع ،ج۶ ص ۱۹۳ ،انواع الاراضی وبیان حکم کل منها)

﴿۲﴾......(الف)......(قوله والعبرة)ای فی العقودللمعانی ولهٰذاکانت الکفالة بشرط براءة الاصیل حوالة والحوالة بشرط عدم براءة الاصیل کفالة،اتقانی (رد المحتار ج۶ ص۴۹۷،کتاب الرهن،باب مایجوز ارتهانه ومالایجوز)

(ب)......والعبرة فی العقود للمعانی دون الالفاظ الاتریٰ انه لو قال ملکتک هذاالعبدبکذا کان بیعا وان لم یصرح بلفظ البیع(المبسوط للسرخسی ج۴،الجزء السابع ص ۱۴۹ ،کتاب العتق باب العتق علی المال)

(ج)......والعبرة فی العقود للمعانی لاللالفاظ (البدائع الصنائع ج۳ص ۱۵۲ ،واماحکم الخلع،کتاب الطلاق)

(د)......والعبرة للمعانی دون الالفاظ الاتریٰ ان من قال لغیره جعلتک وکیلا بعد موتی

یکون وصیة ولو قال جعلتک وصیافی حیاتی یکون وکیلا وکذا لو اعطی المال مضاربة بشرط ان یکون کل الربح للمضارب یکون قرضا ولوشرط لرب المال یکون بضاعة (تبیین الحقائق ج۲ص۱۱۵ کتاب النکاح،فصل فی المحرمات، النکاح المؤقت)

﴿۳﴾......(الف)......فالاسباب ثلاثة مثبت للملک وھوالاستیلاء وناقل للملک وھوالبیع ونحوہ وخلافة وھوالمیراث(البحرالرائق ج۵ص۲۵۸،کتاب البیوع)

(ب)......واسباب الملک ثلاثة مثبت للملک من اصله وھوالاستیلاء علی المباح وناقل بالبیع والھبة ونحوھا، وخلافة کملک الوارث فالاول شرطه خلوالمحل عن الملک فلو استولی علی حطب جمعه غیرہ من المفازة لم یملکه (الاشباہ والنظائرالمعروف غمزعیون البصائرمع شرح حموی ،ج۲ص۴۵۵)

(ج)......(وفی شرح الحموی)قوله اسباب الملک ثلاثةالخ اقول یزاد علی ذلک احیاء الموات فانه سبب للملک لحدیث من احیاارضا مواتافھی له (ج۲ص۴۵۵،کتاب الصید والذبائح والاضحیة)

(د)......فالاسباب ثلاثة یثبت للملک وھوالاستیلاء وناقل للملک وھو البیع ونحوہ وخلافة وھوالمیراث والوصیة ومارید لاجله حکم التصرف حکمة وثمرة (الاشباہ مع شرح الحموی ج۳ص۱۳۳،احکام الاشارة الاولیٰ اسباب التملک)

(۵)......اعلم ان اسباب الملک ثلاثة ناقل کبیع وھبة ،وخلافة کارث،واصالة وھوالاستیلاء حقیقة بوضع الید اوحکما بالتھیئة کنصب شبکةالصید(درمختاروفی الشامیة)(قوله وھوالاستیلاء حقیقة)یشتمل احیاء الموات فلاحاجة الی عدہ قسمارابعا کمافعل الحموی(ردالمحتارج۶ص۴۶۳ ، کتاب الصید)

﴿۴﴾......(الف)......وعن عمر رضی اللّٰہ عنه قال من احیٰ ارضامیتة فھی له ولیس بعد ثلاث سنین حق والمراد بالمحجرالمعلم بعلامة فی موضع واشتقاق الکلمة من الحجر وھو المنع فان من اعلم فی موضع من الموات علامة فکانه منع الغیر من احیاء ذالک الموضع حول ذلک الموضع فسمی فعله تحجیرا وبیان ان الرجل اذا مربموضع من الموات فقصد احیاء ذالک الموضع فوضع احجارااوحصد مافیھا من الحشیش والشوک وجعلھا حول ذالک فمنع الداخل من الدخول فیھا فھذا تحجیر ولایکون احیاء، انما الاحیاء ان یجعلھاصالحة للزراعة بان کربھا او ضرب علیھا المسناة اوشق لھا نھراثم بعد التحجیرله من المدة ثلاث سنین کما اشارالیه عمر رضی اللہ عنه (المبسوط للسرخسی ج۱۲،الجزء الثالث والعشرون ص۱۶۰،کتاب الشرب،بعد کتاب المزارعة،قبل کتاب الاشربة)

(ب)......وفی الغیاثیة لواقطع الامام رجلاارضا فترکھا ثلاث سنین لایعمر فیھابطل

الانتفاع (البحر الرائق ج۸ ص ۲۱۱، کتاب احیاء الاموات)
(ج)......ولو حجر الارض الموات لایملکها بالاجماع لان الموات یملک بالاحیاء لانه عبارة عن وضع احجار او خط حولها یریدان یحجر غیره عن الاستیلاء علیها وشئ من ذالک لیس باحیاء فلایملکها ولکن صار احق بهامن غیره ....واذا صار احق بها فلایقطعها الامام غیره الا اذا عطلها المتحجر ثلاث سنین ولم یعمرها (البدائع الصنائع ج۶ ص ۱۹۵، کتاب الاراضی، انواع الارض وبیان حکم کل نوع منها)
(د)......ولو اقطع الامام الموات انسانا فترکه ولم یعمره لایتعرض له الی ثلاث سنین فاذا مضی ثلاث سنین فقد عاد مواتا کما کان، وله ان یقطعهٔ غیره لقوله علیه السلام ”لیس لمحتجر بعد ثلاث سنین حق (البدائع الصنائع ج۶ ص ۱۹۴، انواع الاراضی وبیان حکم کل نوع منها)
(ہ)......لان الاحیاء جعلها صالحة للزراعة والتحجر الاعلام مشتق من الحجر وهو منع الغیر بوضع علاقة، محجر او بحصاد مافیها من الحشیش والشوک ونفیه عنها وجعله حولها او باحراق مافیها من الشوک وغیره وکل ذالک لایفید الملک فاذا لم یعمرها فیها اخذها الامام منه ودفعها الی غیره (تبیین الحقائق کتاب احیاء الاموات)
(و)......والتحجیر الاعلام، سمی به لانهم کانوا یعلمونه بوضع الاحجار حوله او یعلمونه لحجر غیرهم عن احیائه فبقی غیر مملوک کما کان هو الصحیح (فتح القدیر ج۹ ص ۶، کتاب الاحیاء الموات)
(ز)......فاذا ترکها هذا القدر فالظاهر انه قصد اتلافها وموتها فوجب علی الامام ازالة یده عنها، وهذا کله دیانة، اما اذا احیاها غیره قبل مضی هذه المدة ملکها وانما هذا للاستیام فیکره ولو فعله جاز العقد (الجوهرة النیرة ج۲ ص ۵۵، کتاب احیاء الموات)
(ح)......قالوا وهذا کله دیانة فاما اذا احیاها غیره قبل مضی هذه المدة ملکها لتحقق الاحیاء منه دون الاول وصار کالاستیام فانه یکره ولو فعل یجوز (فتح القدیر ج۹ ص ۶، کتاب احیاء الموات)
﴿۵﴾......(الف)......الحق لایسقط بتقادم الزمان (الاشباہ والنظائر ج۲ ص ۱۹۳)
(ب)......وقال رسول الله ﷺ لایحل لامرئ من مال اخیه الاماطابت به نفسه (مجمع الزوائد ج۴ ص ۱۷۱ بحواله مسند احمد)
(ج)......وقال رسول الله ﷺ من احیا ارضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق (ترمذی ج۱ ص ۱۶۵ و ۱۶۶، ابواب الاحکام)
﴿۶﴾......(الف)......والحاصل من هذه النقول ان الدعوی بعد مضی ثلاثین سنة او بعد ثلاثة وثلاثین لاتسمع اذا کانت الترک بلاعذر من الاعذار المارة لان ترکها هذه المدة مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاهرا کما مر عن المبسوط واذا کان المدعی ناظرا او مطلعا علی تصرف

المدعی علیہ الی ان مات المدعی علیہ لاتسمع الدعویٰ علی ورثتہ کما مرعن الخلاصۃوکذا لو مات المدعی لاتسمع دعویٰ ورثتہ کمامر عن الولوالجیۃ والظاھر ان الموت لیس بقید وانہ لاتقدیر بمدۃ مع الاطلاع علی التصرف (فتاویٰ تنقیح حامدیۃ ج ۲ ص ۳، کتاب الدعویٰ)

(ب)......لو امرالسلطان بعد سماع الدعویٰ بعد خمسۃ عشرسنۃ فسمعھا لم ینفذ (درمختار)وفی الشامیۃ ان السلاطین الآن یامرون قضاتھم فی جمیع ولاتھم ان لایسمعوادعویٰ بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ سوی الوقف والارث (ردالمحتارج۵ص ۴۱۹، کتاب القضاء،مطلب فی عدم سماع الدعویٰ بعد خمس عشرۃ سنۃ)

(د)......ثم اعلم ان عدم سماعھا لیس مبنیا علی بطلان الحق حتی یرد ان ھذا قول مھجور لانہ لیس ذلک حکما ببطلان الحق وانما ھوامتناع من القضاۃ عن سماعھاخوفا من التزویرولدلالۃ الحال کما دل علیہ التعلیل والا فقد قالوا ان الحق لایسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ (ردالمحتارج ۶ ص ۷۴۳، کتاب الخنثی مسائل شتی)

لان البینۃ علی خلاف المشھورالمتواترلاتسمع ولاتقبل (فتاویٰ تنقیح حامدیۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱و ۴۲، کتاب الدعویٰ)فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان ۰۲/۳/۱۴۲۷ھ۔ دارالافتاءادارہ غفران راولپنڈی

تصدیق ازحضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مولانا مفتی محمد رضوان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بندہ نے آپ کے فتویٰ بسلسلۂ ارضِ کوہاٹ کا مطالعہ کیا، ماشاءاللہ جواب صحیح اور مناسب ہے۔

زادکم اللہ تعالیٰ علماًوتوفیقاً............والسلام۔محمد تقی،۲۲-۶-۱۴۲۷ھ(دارالعلوم،کراچی)

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب: مفتی محمد یونس

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

چند اصولی و فقہی باتیں

(افادات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

قرض جتنی مقدار میں لیا جائے اتنی مقدار ہی واپس کرنا ضروری ہے

قرآن وسنت کے دلائل میں غور کرنے اور لوگوں کے معاملات کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرض کی واپسی میں جو برابری شریعت میں مطلوب ہے وہ مقدار اور کمیت میں مطلوب ہے قیمت اور مالیت میں مطلوب نہیں جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی دلیل: اگر ایک شخص دوسرے سے ایک کلو گندم بطور قرض لے اور قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی قیمت پانچ روپے تھی اور جب وہ قرض دار اپنا قرض واپس کرنے لگا تو اس وقت ایک کلو گندم کی قیمت دو روپے ہوگئی تھی تو اب بھی وہ صرف ایک کلو گندم واپس کرے گا زیادہ نہیں کریگا باوجود یہ کہ ایک کلو گندم کی قیمت پانچ روپے سے کم ہو کر دو روپے ہوگئی ہے اور اس مسئلے میں تمام فقہاء متقدمین ومتاخرین کا اجماع ہے فقہاء میں سے کوئی ایک بھی اس مسئلہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس صورت میں جبکہ گندم کی مالیت کم ہوگئی ہے صرف ایک کلو گندم واپس کرنا قرض خواہ پر ظلم ہے اس لئے گندم کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی ہے اسی نسبت سے اضافہ کر کے قرض خواہ کو واپس کرے یعنی ایک کلو گندم کے بجائے اب قرضدار ڈھائی کلو گندم واپس کرے اس لئے کہ ڈھائی کلو گندم کی مالیت اب وہی ہے جو قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی مالیت تھی

(فقہی مقالات ج ا ص ۵۳ و ص ۵۴)

یہ اس بات کی بالکل واضح دلیل ہے کہ قرض میں جس مثلیت اور برابری کا اعتبار شریعت میں ضروری ہے وہ مقدار اور کمیت میں برابری ہے قیمت اور مالیت میں برابری معتبر نہیں (فقہی مقالات ج ا ص ۵۴)

دوسری دلیل: تمام لوگوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ قرضوں کی واپسی میں برابری کی شرط صرف سود سے بچنے کیلئے ہے اور حضور اقدس ﷺ نے اس مطلوبہ برابری کو ربا الفضل کی احادیث میں پوری تشریح کے ساتھ واضح فرمادیا ہے (فقہی مقالات ج ا ص ۵۴)

برابری کونسی معتبر ہے؟

شریعت میں جو تماثل اور برابری معتبر ہے وہ مقدار میں برابری ہے اموالِ ربویہ (یعنی جن مالوں میں سود جاری ہوتا ہے) میں قیمت کے تفاوت (فرق ہونے) کا بالکل اعتبار نہیں (فقہی مقالات ج ا ص ۵۶)

قرض کی واپسی میں مقدار کی یقینی برابری شرط ہے

یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت مقدار میں یقینی مثلیت اور برابری شرط ہے اٹکل اور اندازہ سے واپس کرنا جائز نہیں حتٰی کہ اگر ایک شخص نے ایک صاع (عرب کا ایک خاص پیمانہ) گندم بطور قرض لیے اور یہ شرط ٹھہرائی کہ قرض دار مجھے بغیر ناپ کے صرف اندازہ اور تخمین سے ایک صاع واپس کرے تو قرض کا یہ معاملہ جائز نہیں اس لئے کہ اموال ربویہ (یعنی سود جاری ہونے والے مالوں) میں اندازہ اور تخمین سے ایک صاع واپس کرنا جائز نہیں (فقہی مقالات ج ا ص ۵۸)

اموالِ ربویہ (سودی اموال) میں سے بعض کو بعض سے تبادلہ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ دونوں میں تبادلہ عملی طور پر مقدار میں برابری کے ذریعہ ہو اندازہ اور تخمین کے ذریعہ برابری کافی نہیں ہے (ایضاج ا ص ۵۸)

اجرتوں کا قیمتوں کے اشاریہ سے ربط وتعلق اور اس کی جائز وناجائز صورتیں

جب تک اجرت قرض نہ بن جائے اس وقت تک اس کا حکم ''قرضوں کے ربط'' سے مختلف ہوگا البتہ اجرت اگر قرض بن جائے تو اس صورت میں اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو ''قرضوں کے ربط'' کا حکم ہے (ایضاً ص ۴۷)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ''اجرتوں کے قیمتوں کے اشاریہ سے ربط'' کی تین صورتیں ممکن ہیں:

پہلی صورت

یہ ہے کہ اجرتیں اور تنخواہیں نوٹوں کے ذریعہ طے ہوجائیں کہ اتنی اجرت یا تنخواہ دی جائے گی اور متعاقدین یعنی مالک اور مزدور کے درمیان یہ معاہدہ ہوجائے کہ یہ تنخواہ ہر سال قیمتوں کے اشاریہ کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی (ایضاً ص ۴۷)

اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق اجرتوں اور تنخواہوں میں ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد ایک معین تناسب سے زیادتی پر متفق ہوگئے ہیں اور یہ زیادتی کا تناسب اگرچہ عقد کے وقت تو فریقین کے علم

میں نہیں ہوتا مگر وہ پیمانہ معلوم ہے جس کی بنیاد پر تناسب کا تعین ہوگا اس لئے زیادتی کی مقدار میں جو جہالت کا شبہ تھا وہ مرتفع ہوگیا یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر نئے سال کے شروع میں جس تناسب سے قیمتوں میں زیادتی ہوئی ہوگی اسی تناسب سے اضافہ شدہ اجرت پر اس عقد اجارہ کی تجدید کی جائے گی اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے (ایضاً ص ۷۵)

دوسری صورت

یہ ہے کہ اجرت کی تعیین نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے لیکن عقد میں شرط کرلیں کہ مالک کے ذمہ یہ مقدار معلوم واجب نہیں بلکہ اس کے ذمہ وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریہ کی رو سے مہینہ کے آخر میں اس مقدار معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی (ایضاً ص ۷۵)

جہاں تک اس صورت کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے میری رائے میں یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ قیمتوں کا اشاریہ اور اس کے حساب کا طریقہ فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ بعد میں لاعلمی کی بناء پر آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے اس لئے کہ یہاں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ طے شدہ اجرت ایک ہزار روپے نہیں بلکہ قیمتوں کے اشاریہ کے اعتبار سے مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ہزار روپے کے مساوی ہونگے وہ مالک پر دینے واجب ہونگے جسکو حساب کے ذریعہ نکالنے کا طریقہ دونوں فریق کو معلوم بھی ہے لہٰذا اجرت کی مقدار میں اتنی جہالت جھگڑے کا سبب نہیں بنے گی (فقہی مقالات ج ا ص ۷۶)

تیسری صورت

یہ ہے کہ اجرت تو روپے کی معین مقدار کے ذریعہ طے ہو جائے اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہو جائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمہ واجب ہوگی جو عقد اجارہ میں طے ہوئی ہے لیکن مالک جس دن یہ اجرت ادا کرے گا اس دن قیمتوں کے اشاریہ میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کرکے ادا کرے گا (ایضاً ص ۷۶)

میری رائے میں اس کا شرعی حکم "قرضوں کے قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ ربط" کی طرح ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں (فقہی مقالات ج ا ص ۷۷)

بیع مزابنہ کیا ہے اور یہ کیوں ناجائز ہے؟

بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں بیچا جائے اوراس کی حرمت کی وجہ یہی ہے کہ جو کھجور ٹوٹی ہوئی ہے اس کی مقدار وزن کے ذریعہ معلوم کی جاسکتی ہے اور جو کھجور درخت پر لگی ہوئی ہے اس کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ اندازہ اور تخمین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے اس وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے اس بیع کو علی الاطلاق حرام قرار دے دیا حالانکہ بعض اوقات اندازہ بالکل صحیح یا صحیح کے قریب ہوتا ہے (فقہی مقالات ج ۱ص ۵۸)

عرف کا لحاظ نص موجود نہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے

کسی مسئلہ میں عرف کا اس وقت لحاظ رکھا جاتا ہے جب اس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو (فقہی مقالات ج ۱ص ۶۹)

حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کا شرعی حکم

فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے (فقہی مقالات ج ۱ص ۴۰)

جو شخص جس ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا (ایضاً حوالۂ بالا)

(پس حکومت کے جائز قوانین کی مخالفت کرنا شرعاً جائز نہیں: ناقل)

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاِبْصَارِ﴾ مولوی طارق محمود

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط ۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح سے ہے:

ابراہیم (خلیل اللہ) بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفکشاذ بن سام بن نوح (علیہ السلام) اس نسب نامہ میں قابلِ بحث دو چیزیں ہیں:

(۱)...... یہ کہ یہ نسب نامہ صحیح اور مستند ہے؟ اور حضرت نوح علیہ السلام تک اتنی ہی پشتیں بنتی ہیں؟ اس نسب نامہ کی بنیاد اسرائیلی روایات پر ہے جو تحریف در تحریف کے مرحلوں سے گذرتی رہی ہیں اس لئے اس شجرۂ نسب کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا معاملہ قیاسی اور تخمینی رائے سے زیادہ نہیں، حضور ﷺ اپنے نسب نامہ میں عدنان سے اوپر کی کڑیوں کے متعلق اس طرح فرماتے ہیں ''کذب النسّابون'' یعنی علمائے نسب نے ناموں کی تعیین میں غلط بیانی سے کام لیا ہے، حالانکہ حضور ﷺ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ہونا یقینی ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک کا سلسلہ کس طرح اس سے زیادہ قابلِ وثوق ہوسکتا ہے۔

(۲)...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام کیا تھا؟ تارخ تھا یا آزر۔ قرآن مجید تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر بتلاتا ہے، لیکن توراۃ اور تاریخ میں آپ کے والد کا نام تارخ ملتا ہے، اہلِ علم نے اس اختلاف کے متعلق ایک تو تطبیق کا راستہ نکالا ہے کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہوجائے اور یہ اختلاف ختم ہوجائے، اور دوسرا ترجیح کا راستہ نکالا ہے کہ دنوں میں سے کون سا نام صحیح ہے اور کون سا غلط۔ اس پر محققین حضرات مفسرین ومورخین نے تفصیلی بحثیں کی ہیں جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں البتہ اس میں درمیانہ اور سلامتی والا راستہ یہی ہے کہ ترجیح یا تطبیق کے ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ جب قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کہہ دیا ہے تو پھر محض نسب کے ماہرین اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہوکر قرآن مجید کی یقینی

Idara Ghufran

تعبیر کو مجاز کہنے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن مجید میں نحوی مقدرات ماننے پر (جیسا کہ بعض محققین نے تطبیق کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے) کون سی شرعی ضرورت مجبور کرتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ''آدار'' کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہی ''آزر'' کہلایا، تارخ چونکہ بڑا بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا، اس لئے آزر کے نام سے مشہور ہو گیا، حالانکہ یہ نام نہیں بلکہ لقب تھا اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن مجید نے بھی ان کو اسی نام سے ہی پکارا۔ اس لئے تاریخ میں جو ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ملتا ہے وہ یہی آزر ہیں اور تارخ یا تو غلط نام ہے یا پھر آزر کا ترجمہ جو تورات کے دوسرے ناموں کی طرح ترجمہ نہ رہا بلکہ اصل بن گیا۔

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ مکی اور مدنی دونوں قسم کی سورتوں میں ملتا ہے اور جگہ جگہ ان کا واقعہ کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً بیان ہوا ہے، آپ کا یہ تذکرہ پورے قرآن مجید میں پھیلا ہوا ہے، خاص وہ آیات جن میں آپ کا نام نامی ابراہیم مذکور ہے درج ذیل ہیں:

سورۃ البقرۃ: آیت ۱۲۴ تا آیت ۱۲۷، آیت ۱۳۰، آیت ۱۳۲ و ۱۳۳، آیت ۱۳۵، آیت ۱۳۶، آیت ۱۴۰، آیت ۱۵۸، آیت ۱۶۰۔ **سورۃ آل عمران:** آیت ۳۳، آیت ۳۵، آیت ۶۷، و ۶۸، آیت ۸۴، آیت ۹۵، آیت ۹۷۔ **سورۃ النساء:** آیت ۵۴، آیت ۱۲۵، آیت ۱۶۳۔ **سورۃ الانعام:** آیت ۷۴، و ۷۵، آیت ۸۳، آیت ۱۵۱۔ **سورۃ التوبہ:** آیت ۷۰، آیت ۱۱۴۔ **سورۃ ہود:** آیت ۶۹، آیت ۷۴ تا آیت ۷۶۔ **سورۃ ابراہیم:** آیت ۳۶۔ **سورۃ النحل:** آیت ۱۲۰، آیت ۱۲۳۔ **سورۃ الانبیاء:** آیت ۵۱، آیت ۶۰، آیت ۶۲، آیت ۶۹۔ **سورۃ الشعراء:** آیت ۶۹۔ **سورۃ الاحزاب:** آیت ۷۰۔ **سورۃ صٓ:** آیت ۴۵۔ **سورۃ الزخرف:** آیت ۲۶۔ **سورۃ النجم:** آیت ۳۷۔ **سورۃ الممتحنۃ:** آیت ۴۔ **سورۃ یوسف:** آیت ۶، آیت ۳۸۔ **سورۃ الحجر:** آیت ۵۱۔ **سورۃ مریم:** آیت ۴، آیت ۴۶، آیت ۵۸۔ **سورۃ الحج:** آیت ۲۶، آیت ۴۳، آیت ۷۸۔ **سورۃ العنکبوت:** آیت ۱۶، آیت ۳۱۔ **سورۃ الصافات:** آیت ۸۳، آیت ۱۰۴، آیت ۱۰۹۔ **سورۃ الشوریٰ:** آیت ۱۳۔ **سورۃ الذاریات:** آیت ۲۴۔ **سورۃ الحدید:** آیت ۲۶۔ **سورۃ الاعلیٰ:** آیت ۱۹۔ یہ کل ۲۵ سورتوں کی ۶۳ آیات بنتی ہیں۔ (جاری ہے.........)

طب وصحت حکیم محمد فیضان

طبی معلومات ومشوروں کا مستقل سلسلہ

انگور (GRAPE)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں چھ مقامات پر انگور کو ان نعمتوں میں سے شمار کیا ہے جو بندوں پر دنیا اور جنت دونوں جگہ میں انعام کیا ہے۔شاید اسی لئے اس کو جنت کا پھل کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ کو انگور اور تربوز بہت مرغوب تھے۔برصغیر پاک وہند میں انگور کو مغل بادشاہ لے کر آئے۔کیونکہ خاندان تغلق کے مشہور فرماں روا سلطان فیروزشاہ کے عہد میں دہلی اور دیگر مقامات پر انگور کی کامیاب کاشت کی گئی۔مگر افغانستان وغیرہ سے انگور کی درآمد جاری رہی، کیوں کہ اکثر مغل بادشاہوں کو سمرقند کے انگور بیحد پسند تھے، کیوں کہ یہ بیحد لذیذ ہوتے تھے۔

اس وقت دنیا میں اٹلی، فرانس، سپین، امریکہ، میکسیکو، چلی، سب سے زیادہ انگور پیدا کرنے والے ممالک سمجھے جاتے ہیں۔پاکستان میں انواع واقسام اور لذیذ انگور کی پیداور زیادہ تر انگورہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ہوتی ہے۔جب کہ افغانستان سے بھی درآمد کیا جاتا ہے۔انگور کی بہت سی اقسام ہیں، تقریباً نوے اقسام کا ذکر ملتا ہے۔جن میں، مٹھاس، ذائقہ، اور رنگ، بیج اور بغیر بیج کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔اس کی ایک قسم کا رنگ سیاہی مائل نیلا ہوتا ہے، اور سائز میں بڑا ہوتا ہے۔ہمارے یہاں پاکستان میں تین قسم کا انگور پایا جاتا ہے۔ (1) چھوٹا گول ہلکا زردی مائل (2) لمبا زردی مائل جس کو سندر خانی کہتے ہیں (3) کالا انگور کبھی اس کا رنگ گلابی بھی ہوتا ہے، اس میں بیج بھی ہوتا ہے۔سندرخانی انگور سب سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے جب کہ باقی دونوں اقسام میں مٹھاس قدرے کم ہے۔انگور قدیمی پھل ہے، کہتے ہیں کہ انگور کو براعظم ایشیا میں پانچ ہزار ق م میں کاشت کیا جاتا تھا۔بائبل میں بھی انگور کا ذکر ملتا ہے۔بائبل میں انگور کو (Fruit of wine) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔انگور کی تصویریں قدیم مصر کے مقبروں میں بھی پائی گئی ہیں۔

انگور کو عربی زبان میں عنبؔ بنگالی زبان میں داکھؔ اور گجراتی میں دہراکھؔ جب کہ انگریزی میں گریپؔ کہتے

ہیں۔خشک چھوٹے انگور کو کشمش (Raisins) اور بڑے انگور کو جن میں بیج ہوتے ہیں منقیٰ کہتے ہیں۔

مزاج

اطباء کی رائے کے مطابق پختہ انگور کا مزاج گرم وتر ہے اور کچا انگور ٹھنڈا اور خشک ہے۔جب کہ کشمش اور منقیٰ کو خشک و گرم قرار دیا ہے۔

انگور کے چند فوائد

انگور بڑا مفید اور غذائی اجزا سے بھر پور پھل ہے۔ایک چھٹانک انگور میں 26 حرارے قوت ہوتی ہے۔جو حضرات طاقت کے لئے گلوکوز کا استعمال کرتے ہیں انہیں اس کی بجائے انگور کا شوق کرنا چاہئے کیوں کہ اس میں گلوکوز کے علاوہ دیگر غذئی اجزاء اور حیاتین بھی ہیں۔اس میں لحمی مواد ، چکنائی، اور نشاستہ دار شکر یلے اجزا، چونا، فاسفورس، وغیرہ ہے۔فولاد تو وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔یہ ملٹی وٹامن پھل ہے۔ اس میں 80% پانی موجود ہوتا ہے۔یہ پوٹاشیم کا اچھا ذریعہ ہے۔انگوری شکر (Grape sugar) یا خالص گلوکوز کی وجہ سے فوری توانائی مہیا کرتا ہے۔اس میں حیاتین ب، ج، ز، ہیں۔یہ معدے کو طاقت دیتا ہے۔معدے کی جلن کو ختم کرتا ہے۔خون کو بڑھاتا ہے۔اس لئے خون کی کمی کی صورت میں انگور استعمال کرنے چاہئیں۔جسمانی کمزوری اور نقاہت کو رد کرتا ہے۔بدن کو موٹا کرتا ہے۔اکثر حضرات وہم، وسوسے، پریشان خیالیاں، پست ہمتی، اور چڑ چڑے پن کا شکار ہوتے ہیں ان عوارض کے لئے انگور بڑا مؤثر ہے۔قبض کو دور کرتا ہے جن لوگوں کو قبض کی شکایت رہتی ہو ان کو رات کو سوتے وقت نصف پاؤ انگور استعمال کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔انگور جسم کو تندرست رکھتا ہے۔گردے کی بیماریوں میں مفید ہے، اس کے استعمال سے گردوں کو طاقت ملتی ہے۔انگور پیشاب آور بھی ہے۔پیشاب کے ذریعہ بدن کے فاصد مادوں کو خارج کرتا ہے۔اس لئے گردوں کی سوزش اور گردوں کی پتھری میں بھی انگور مفید ہے۔اس کو چھلکوں سمیت استعمال کرنے سے سرطان (Cancer) کا امکان نہ رہے گا۔انگور بڑھاپے کے عمل کو کم کرتا ہے۔

دل کے امراض سے بچاتا ہے۔دل کے درد، اور بے ترتیب دھڑکن (Palpitaion of Heart) میں بھی انگور فائدہ دیتا ہے۔انگور کا جوس آدھے سر کے درد (Migrain) کا مؤثر علاج ہے۔آدھے سر کے درد میں انگور کا جوس صبح شام استعمال کرنے کا مشورہ ہے۔انگور کے پتے بھی بطور دوا استعمال کئے

جاتے ہیں، یہ کالی کھانسی (Whooping cough) استسقاء (پیٹ میں پانی بھر جانا) (Dropsy)، جوڑوں کے درد (Rheumatic pain) میں مفید ہے۔ان بیماریوں میں انگور کے پتوں کا جوشاندہ صبح وشام استعمال کرنا مفید ہے۔

نکسیر

میٹھے انگور کا رس نکال اس کو ناک میں ڈال کر اوپر کو سانس کے ساتھ کھنچوانے سے نکسیر بند ہو جاتی ہے۔

آنکھیں دکھنا

کھٹے انگور کا پانی نکال کر ڈراپر وغیرہ سے دو دو بوند دکھتی ہوئی آنکھوں میں ڈالنے سے آرام ہو جاتا ہے۔

کھانسی

مغز بادام ایک تولہ، ملہٹی پسی ہوئی ایک تولہ، منقہ بیج نکال کر ایک تولہ سب کو پیس کر چنے کے برابر گولیاں بنالیں اور ایک ایک گولی منہ میں رکھ کر چوسیں کھانسی انشااللہ دور ہو جائیگی۔

لیکوریا

لیکوریا اور بدہضمی وقبض، سر درد کی شکایت رہتی ہو تو انگور کا رس ایک چمچہ 90 بوند صبح شام استعمال کرنا مفید ہے۔حاملہ عورت کو اگر روزانہ صبح وشام دیا جائے تو اسے چکر آنا، غشی، مروڑ، اپھارہ قبض وغیرہ کی شکایت نہیں ہوتی۔

بندش حیض

اگر ماہواری ٹھیک وقت پر نہ ہوتی ہو تو مغز بادام بغیر چھلکا اتارے چار تولہ، کشمش سبز دس تولہ، نارجیل سات تولہ چھوہارے عمدہ آٹھ عدد سب کو کوٹ کر محفوظ کرلیں۔ماہواری کے دنوں میں پانچ تولہ روزانہ گرم دودھ کے ساتھ استعمال کرنے سے حیض کھل کر جاری ہو جاتا ہے۔

خوبصورتی میں اضافہ کے لئے

(Cosmetology) ایکسٹریکٹ جلد کو نرمی، چمک، اور غذائیت مہیا کرتا ہے۔اس کے لئے انگور اور شہد کو مکس کرلیں اور 20-15 منٹ کے لئے چہرے پر لگائیں۔پھر اچھی طرح دھو کر کریم لگالیں۔یہ خشک جلد کے لئے مفید ہے۔چکنی (Oily) جلد کے لئے انگور کا جوس 10 چمچے، پانی 5 چمچے، بادام روغن 10 چمچے

اچھی طرح ملا کر فریج میں رکھ لیں اور صبح وشام روئی کی پھریری سے چہرے پر لگائیں پھر کچھ دیر بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔انگور سے سرکہ بھی تیار کیا جاتا ہے۔جو کہ تمام سرکوں سے بہتر شمار ہوتا ہے، جس کے اثرات خام انگور کے مطابق ہیں۔یہ سرکہ موسم برسات میں بہت مفید ہے۔

بال گرنا

بال جھڑ یعنی گنج کے لئے کشمش عمدہ ایک حصہ، ایلوا آدھا حصہ لے کر کھرل میں خوب بارک پیس لیں اور پانی شامل کر کے لیپ لگائیں چند روز کے استعمال سے بال گرنا بند ہو جاتے ہیں اور نہایت عمدہ بال پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔پیچش اور دست کی صورت میں انگور نہ کھائیں۔شوگر کے مریض اپنے معالج کے مشورہ سے استعمال کریں۔جدید سائنس نے سو گرام انگور میں مندرجہ ذیل غذائی اجزاء بتائے ہیں۔

پانی	54.6 گرام	راکھ	0.2 گرام	چکنائی	0.1 گرام
پروٹین	0.5 گرام	ریشہ	1.6 گرام	کاربوہائیڈریٹس	14.7 گرام
شوگر	11.3 گرام	سکروز	30.0 ملی گرام	گلوکوز	5490 ملی گرام
فوکٹوز	4850 ملی گرام	مالٹوز	880 ملی گرام	وٹامن اے	302 آئی یو
بیٹا کیروٹین	110 ملی مائیکروگرام	وٹامن سی	2.2 ملی گرام	نیاسین	0.4 ملی گرام
فولیٹ	2.0 مائیکروگرام	وٹامن کے	4.6 ملی مائیکروگرام	کیلشیم	5.0 ملی گرام
فولاد	0.3 ملی گرام	میگنیشیم	5.0 ملی گرام	فاسفورس	12.0 ملی گرام
پوٹاشیم	89.0 ملی گرام	سوڈیم	0.0 ملی گرام	کاپر	0.1 ملی گرام

اخبار ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□...... جمعہ یکم/ ۸/ ۱۵/ ۲۲/ رجب کو تینوں مسجدوں (مسجد امیر معاویہ، مسجد بلال، مسجد نسیم) میں حسبِ معمول جمعہ سے پہلے وعظ اور جمعہ کے بعد مسائل کی نشستیں ہوئیں۔

□...... جمعہ یکم/ ۱۵/ رجب کی شام کو پندرہ روزہ فقہی مذاکرے کی نشستیں ہوئیں۔

□...... ہفتہ۲/ رجب ادارہ کی دوسری منزل میں مغربی دیوار کے انہدام اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا، پہلے مرحلہ میں دیوار میں ستون اور بیم ڈالے گئے۔

□...... ہفتہ۱۶/ رجب ادارہ کی بڑی ٹینکی کی صفائی اور دھلائی کا کام طلبہ کرام نے اساتذہ کرام کی معیت میں کیا۔

□...... ہفتہ ۲۳/ رجب مولانا نعمان اللہ صاحب دامت برکاتہم (تھاکوٹ، سرحد) تشریف لائے، حضرت مدیر دامت برکاتہم سے طویل مشاورت ومجالست ہوئی، بعد عصر آپ تشریف لے گئے۔

□......اتوار۳/ ۱۰/ ۱۷/ ۲۴/ رجب بعد عصر حسبِ معمول ہفتہ وار مجلس ملفوظات منعقد ہوتی رہیں۔

□......اتوار۱۷/ رجب مولانا عبدالرؤف صدیقی صاحب دامت برکاتہم اور مولوی قاری حبیب اللہ صاحب زید مجدہ (واہ کینٹ) تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے تفصیلی علمی مجالست ہوئی، بعد عصر کا ہفتہ وار بیان بھی حضرت صدیقی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا، مغرب کے قریب معزز مہمان رخصت ہوئے۔

□......پیر۱۱/ رجب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم دن کو اسلام آباد بڑے حضرت نواب قیصر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں تشریف لے گئے، اسی دن عصر میں مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہٗ اور بندہ محمد امجد بھی بڑے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ سے الوداعی ملاقات کے لئے آج کی یہ حاضری خدمتِ اقدس میں ہوئی۔

□......پیر۱۸/ رجب مولانا عبدالرحمان بکھروی صاحب زید مجدہٗ تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے آپ کی مجالست ہوئی۔

□......منگل۱۲/ رجب حضرت اقدس نواب صاحب دامت برکاتہم کراچی تشریف لے گئے، اگست سے لے کر مارچ تک حضرت کا قیام عموماً کراچی میں رہتا ہے، حسبِ عادت امسال بھی حضرت کراچی تشریف لے گئے۔

□...... بدھ۶/ ۱۳/ ۲۰/ رجب بعد ظہر حسبِ معمول طلبہ کرام کے لئے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی رہی۔

□......جمعرات۳۰ جمادی الاخریٰ و۷/ ۱۴/ ۲۱/ رجب کو بعد ظہر (۴ بجے) حسبِ معمول طلبۂ کرام کی تربیتی بزمِ ادب منعقد ہوتی رہی، جمعرات۲۱/ رجب کو ادارہ کی زیرِ زمین پانی کے ٹینک کی طلبہ کرام نے بعض اساتذہ کرام کی معیت میں صفائی اور دھلائی کی۔

Idara Ghufran

اخبارِ عالم مولوی ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

بدھ 29 جمادی الاخریٰ 261427ھ جولائی 2006ء: امریکہ کی لبنانی انفراسٹرکچر تباہ کرنے کے لئے اسرائیل کو ''سمارٹ بم'' فراہم کرنے کی منظوری **27 جولائی**: لبنان، بحران: اٹلی میں 15 ملکی امن کانفرنس امریکی ہٹ دھرمی کے باعث ناکام **28 جولائی**: لبنان: حزب اللہ کے حملوں میں 35 یہودی فوجی ہلاک، بمباری سے لبنان آرمی کے اڈے، ریڈیو اسٹیشن تباہ **29 جولائی**: پاکستان: مانسہرہ، بنوں، شمالی علاقہ جات، آسمانی بجلی گرنے سے اور بارشوں سے مزید 27 افراد جاں بحق **30 جولائی**: پاکستان: صدر کا راولپنڈی کیرج فیکٹری کا دورہ، حویلیاں خنجراب ریلوے لائن بچھانے کی منظوری، چمن تا سپین بولدک پٹڑی بچھانے کے لئے پری فزیبلٹی سٹڈیز کی تجاویز منظور کرلی گئیں، چترال کے ذریعے تاجکستان تک سستا ترین روٹ تلاش کرنے کا جائزہ لیا جائیگا، صدر کی شیخ رشید کو ہدایت **31 جولائی**: لبنان: دہشتگردی کی انتہا اسرائیل کی وحشیانہ بمباری 40 بچوں سمیت 70 شہید **یکم اگست**: لبنان: اسرائیلی جارحیت کے خلاف دنیا بھر میں مظاہرے، سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بے نتیجہ ختم **2 اگست**: پاکستان: ایم کیو ایم کا آخری لمحے مذاکرات سے انکار، صدر کا اظہار برہمی سندھ اسمبلی توڑے سمیت تمام آپشنز پر غور **3 اگست**: پاکستان: پیپسی اور کوکا کولا کمپنیاں مسلسل زہریلا مواد بیچ رہی ہیں بھارتی ادارے کی رپورٹ، بھارتی ادارے مرکز برائے سائنس وماحولیات نے 11 بوتلوں کے 57 نمونوں کے لیبارٹریوں میں تجزیے کئے گئے جس میں زہریلا مواد پایا گیا **4 اگست**: پاکستان: نئی حج پالیسی کا اعلان، اخراجات میں 7 فیصد تک اضافہ کردیا گیا، اس سال ڈیڑھ لاکھ پاکستانی فریضہ حج ادا کریں گے، نامزد بینک 7 اگست سے حج درخواستوں کی وصولی شروع کردیں گے کراچی اور کوئٹہ سے وائٹ کیٹگری کے لئے ایک لاکھ پندرہ ہزار، گرین کیٹگری میں ایک لاکھ 27 ہزار، دیگر شہروں سے ایک لاکھ 34 ہزار وصول کئے جائیں گے، اعجاز الحق کی پریس کانفرنس **5 اگست**: پاکستان: بارشوں سے تباہی 35 جاں بحق ہزاروں بے گھر جہازوں اور ٹرینوں کے شیڈول متاثر مواصلات کا نظام درہم برہم **6 اگست**: پاکستان: مردان سیلابی ریلا 500 افراد کو بہالے گیا، مردان شہر کئی گھنٹوں تک پانی میں ڈوبا رہا، سینکڑوں افراد سکندری اور پار ہوتی پلوں پر کھڑے سیلابی ریلے کا منظر دیکھ رہے تھے کہ اچانک بڑا ریلا آیا جو سب کو بہالے گیا، صرف 40 نعشیں نکالی جاسکیں **7 اگست**: پاکستان: بارشوں اور سیلاب سے مزید 4 2 افراد جاں بحق، سرحد وپنجاب میں درجنوں دیہات زیرِ آب **8 اگست**

: پاکستان: امریکی کانگرس نے پاکستان کو ایف 16 طیارے دینے کی کلیئرنس دے دی، کوئی غیر معمولی شرط نہیں رکھی گئی، ترجمان دفتر خارجہ ✍ **9 اگست**: بھارت کے 7 مسلمان سائیکلوں پر حج کے لئے روانہ، رکشہ ڈرائیوروں کا یہ گروپ پاکستان، افغانستان، عراق، ایران اور کویت سے ہوتا ہوا 2008ء میں سعودی عرب پہنچے گا ✍ **10 اگست**: لبنان: جنوبی لبنان ضلع شیعہ میں تباہ شدہ عمارت سے 32 لاشیں نکال لی گئیں، ہلاک ہونے والوں کی تعداد 60 ہوگئی شدید بمباری سے تمام بڑی عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں ✍ **11 اگست**: پاکستان: جدید ترین آب دوز ''حمزہ'' سمندر میں اتار دی گئی، امن طاقت سے حاصل ہوتا ہے، جن ممالک کا دفاع مضبوط نہیں ہوتا ان کا حشر لبنان جیسا ہوتا ہے صدر پرویز مشرف ✍ **12 اگست**: پاکستان: علماء کرام پر مزید پابندیاں اسلام آباد انتظامیہ نے ہدایت نامہ جاری کر دیا، مساجد میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال، چندہ جمع کرنے، پمفلٹ کی تقسیم، مسجد کے سامنے کتابیں وغیرہ فروخت کرنے اور این اوسی کے بغیر کسی بھی پروگرام پر پابندی ہوگی، رات کے وقت مسجد کے دروازے بند کر دئے جائیں کوئی شخص مسجد میں نہیں ٹھہر سکتا، لاؤڈ سپیکر کی آواز مسجد تک محدود رکھنے کی ہدایت کی گئی ✍ **13 اگست**: پاکستان: ریلوے کی زمین واگزار کرنے کے لئے بڑے مگرمچھوں کے خلاف سخت ایکشن لیا جائیگا شیخ رشید ریلوے کے آٹھ بڑے پلاٹ فائیو سٹار ہوٹلوں کو دیے جائیں گے جن پر بیرونی کمپنیوں کو سرمایہ کاری کی دعوت دی جائے گی گزشتہ سال 10 ارب 50 کروڑ خسارہ ہوا ✍ **14 اگست**: لبنان پر تباہ کن بمباری کی تجویز بش اور ڈک چینی نے دی تھی امریکی اخبار کا انکشاف ✍ **15 اگست**: (تعطیلاتِ اخبارات) ✍ **16 اگست**: لبنان: اسرائیلی فوج کا لبنان سے انخلاء شروع: اقوامِ متحدہ کے 2 ہزار اہلکار تعینات، بیروت میں فتح کا جشن ✍ **17 اگست**: پاکستان: حزب اللہ کی فتح اسلامی ممالک کی افواج ناکام، جہادی قوتوں کی حکمت عملی کامیاب رہی، جنرل (ر) اسلم بیگ ✍ **18 اگست**: پاکستان: شہید جہادِ افغانستان جنرل ضیاء الحق کی یاد میں فیصل مسجد میں تقریب، ہزاروں افراد کی شرکت، ضیاء کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ ہیں، مقررین ★ پاکستان: ملک میں بدترین مہنگائی دس سالوں میں قیمتیں 100 فیصد بڑھ گئیں، سینٹ میں حکومت کا اعتراف ✍ **19 اگست**: پاکستان: کے ایف سی میں زہریلا کھانا کھانے سے میاں بیوی جاں بحق، جاں بحق ہونے والے عباس علی پاکستان ایئر فورس کے ریٹائرڈ ونگ کمانڈر تھے، سپر مارکیٹ اسلام آباد میں کھانا کھاتے ہی میاں بیوی کی حالت غیر ہوگئی دونوں نے ہسپتال پہنچ کر دم توڑا ✍ **20 اگست**: پاکستان: عوامی شکایات پر شیخ رشید کا راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر چھاپہ غفلت کے مرتکب 10 اہلکار معطل ✍ **21 اگست**: شکست کے اسباب کا جائزہ لے کر دوسرے جنگی مرحلے کی تیاری کریں گے، فیصلہ کن کاروائی کی طرف بڑھ رہے ہیں جو بہت جلد کی جائے گی، اسرائیل۔

شبِ برأت میں آتش بازی اور چراغاں

بعض لوگوں میں آتش بازی اور چراغاں شبِ برأت کی لازمی رسم بن گئی ہے، شعبان کا مہینہ شروع ہوتے ہی آتش بازی اور پٹاخے بجنا شروع ہو جاتے ہیں، بے شمار حادثے ہر سال اس کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بے جا تکلیف پہنچتی ہے، آتش بازی تو اسلام میں ویسے ہی جائز نہیں اور پھر اس بابرکت مہینے اور بابرکت رات کی طرف کسی گناہ کی نسبت جوڑنا اور پھر اس گناہ کو عبادت سمجھنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جو انسان کے ایمان کے لئے بہت خطرناک ہیں، اور جب ان چیزوں سے ثواب کے بجائے گناہ ہوتا ہے تو گناہگاروں کو تو اس رات کی فضیلت سے ویسے ہی محروم کر دیا جاتا ہے، پھر آتش بازی کرنے والے کیسے خوش فہمی میں مبتلا رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح چراغاں کی رسم کا بھی اسلام میں کوئی ثبوت اور ثواب نہیں، یہ سراسر اسراف اور بجلی کا ضیاع اور غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو چراغاں کی رسم سے محفوظ فرما کر اپنے دل کو عبادت و اطاعت کے نور اور حضور ﷺ کی سنت کی روشنی سے مزین فرمائیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''شعبان اور شبِ برأت کے فضائل و احکام'')

By Mufti Muhammad Rizwan - Translated by Abrar Hussain Satti

Selling Marchandise On Different Rates To Different Buyers

Question: In routine, various buyers visit a seller at different times to buy different products and sometimes they all buy the same product at different times from the same seller. At times, a buyer visits the same seller and buys a product more than once or twice during the same day. Though, most of the buyers try to bargain on prices and they normally succeed in getting discounts from the seller, many buyers don’t even bother to bargain and pay a little more price than other buyers. Sometime, the seller quotes a price but then he gives discounts at his free will (voluntarily) without any pressure from the buyers. So in all such cases, a seller sells his products to various buyers, at various times and at various prices – Is this seller committing a sin by selling the same product to various buyers at various times and at various prices?

Ans: There is no legal compulsion from Sharia on the seller to sell all his merchandise to all his buyers at the same rate. It is absolutely lawful in Sharia to give more or less discounts

to any one or more of his buyers and refuse to give any discounts or give more or less discounts to his other buyers. In case he gives discount to one buyer, he is not bound to give a similar discount to his other buyers. It is also lawful in Sharia to sell at a price which he announced to the buyer before the deal and this price may differ from the prices he quoted to the other buyers. However, it is obligatory that the seller must always avoid from lying, cheating or deceiving his buyers and he must not gain an unjust profit as a result of selling merchandise at a price which is more than that of a normal price in the same place or same market and at the same time of the deal.